عالم اسلام میں جدید سائنسی ترقی کیوں نہ ہو سکی؟

بلاسود بینکاری پر امت کا اجماع کیوں نہ ہو سکا؟

(دوسری قسط)

ہندوستانی ٹھگوں کی اخلاقیات:

ہندوستان میں ٹھگی کا ادارہ اور ٹھگوں کی روایات تاریخ انسانی میں اپنی نوعیت کی منفرد روایات ہیں جن کا فطری تعلق ہندوستانی معاشرت کی قدیم سماجی روایتوں سے ہے۔ ٹھگی کے ادارے اور اس کی روایات نے الہامی مذاہب اور ہندو مذہب کی اقدار و روایات سے حیرت انگیز اثر قبول کیا اور جدال و قتال کے سلسلے میں مذہبی پابندیوں کو اپنے معتقدات میں شامل کر کے غنڈہ گردی، دہشت گردی اور بہیمیت کی بھی اخلاقیات مرتب کیں ان اخلاقیات نے ٹھگوں کے معتقدات کی تشکیل میں بنیادی اجزاء کے طور پر جگہ پائی دنیا کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہندوستانی ٹھگوں نے مجرمانہ سرگرمیوں کو بھی ضابطہ اخلاق، روایات، قواعد و ضوابط اور اصولوں کے حصار میں مقید کر دیا۔ اس پہلو سے ہندوستان کی سرزمین میں ٹھگی کا مطالعہ حیاتِ انسانی کی تاریخ کا ایک عجیب و غریب باب ہے۔

"India is emphatically the land of supersitition and in this land the system of Thuggee, the most extraordinary that has ever been recorded in the history of the human race had found a congenial soil, and flourished with rank luxuriance for more than two centuries" (Ramaseana, first part, page:13)

ٹھگوں کی اخلاقیات کا اگر مغربی اقوام کی اخلاقیات سے موازانہ کیا جائے تو حیرت انگیز نتائج برآمد ہوتے ہیں یہ مضمون انہی نتائج کی تفصیلات پر مشتمل ہے۔

ٹھگوں کی فہرست قتال سے خارج لوگ

ٹھگ لوگوں کو قتل کرتے تھے، لیکن بہت سے لوگ ان کی فہرست قتال میں محفوظ قرار دیئے گئے تھے۔

اس فہرست میں سب سے نمایاں ''اچھوت'' تھے۔ ٹھگوں کی معتقدات کے مطابق عورت کو قتل نہیں کیا جاسکتا تھا۔ سادھو، نانک پنتھی، مداری، ناچنے گانے والے لوگ، ان کو بھی ٹھگ نہیں مار سکتے۔ ان لوگوں کا قتل حرام تھا۔ اسی فہرست میں کایستھ بھی شامل تھے کہ کایستوں پر بھی ٹھگی نہیں کی جاسکتی۔ حالانکہ کایستھ اعلیٰ سرکاری عہدوں پر فائز تھے لیکن یہ بھی اصلاً شودر تھے لہٰذا ہندو مذہب کے اصول کے تحت نیچ ذات کا قتال حرام تھا اس کے علاوہ دھوبی، بھاٹ، نانک شاہی، مداری، فقیر، ناچنے گانے والے لڑکے اور مرد، پیشہ ور گانے بجانے والے، بھنگی، تیلی، لہار، بڑھئی، سنار، جذامی، وہ شخص جس کے ساتھ گائے ہو قتال سے محفوظ تھے، معذور افراد اندھے، لنگڑے اور لولے کو بھی قتل کرنا ٹھگوں کی روایت میں حرام تھا۔ برہمچاری، کانورتی، اگر ان کے ساتھ گنگا کا پانی ہو (یعنی گنگا جل لے کر لوٹ رہے ہوں) اگر ان کے برتن خالی ہوں، تب ان کو مارا جاسکتا تھا۔ ٹھگ بنگال کے علاقے میں سکھوں کو نہیں مارتے تھے۔

ٹھگوں پر زوال: عورتوں کا قتال

ٹھگوں کا عقیدہ تھا کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے سنا ہے کہ جن ٹھگوں نے لالچ کے پھیر میں آ کر عورت کو مارا، اس نافرمانی کے نتیجے میں وہ تباہ و برباد ہو گئے۔ ٹھگ لوگوں کے اعتقاد میں عورت کو مارنا نہایت نحوست کا کام تھا۔ انھیں اس بات کا یقین تھا کہ ٹھگوں پر زوال اسی وجہ سے آیا کہ بعض لالچی ٹھگوں نے عورتوں کو کمزور شکار سمجھ کر انھیں مار دیا اور ٹھگی الہیات واعتقادات کی تنسیخ کر دی۔

[The murder of women is a violation of their rules to which they attribute much of our success against the system, be call it is considered to have given offence to their patroness (Ramaseeanal, p8).

ہندوستانی اور مغربی ٹھگوں کا تقابل:

ہندوستان کے یہ جاہل، گنوار اور وحشی ٹھگ جو مغربی تہذیب وتمدن کی چکاچوند، اور مغربی فکر وفلسفے کے اصول ومبادی سے قطعاً ناواقف تھے۔ اٹھارہویں صدی سے انیسویں صدی دو سو برس تک ٹھگ ہندوستان میں تاخت وتاراج کرتے رہے لیکن ان کی تاخت وتاراج بھی مذہب سے اخلاقی اصول اٹھارہویں صدی سے انیسویں صدی تک اخذ کر کے جدال وقتال کے طریقوں کی سختی سے پابندی کرتی تھی اور یہ ٹھگ اس مقولے کی عملی تردید کرتے تھے جس کے مطابق جنگ اور محبت میں سب جائز ہے، ٹھگ معاش اور قتال کے معاملات میں بھی اخلاقی ضابطوں، قوانین، قواعد، اصولوں اور روایتوں پر پر عامل تھے اور ان ضابطوں کی سختی سے پابندی کی جاتی تھی۔ لیکن چار سو سال پہلے براعظم امریکہ میں یورپی آبادکاروں نے اس براعظم کے اصل باشندوں سرخ ہندیوں

کا قتل عام شروع کیا تو کسی قاعدے، قانون، اخلاق، اصول روایت کا خیال نہیں رکھا گیا۔ صرف ایک قاعدہ تھا جس کی پیروی کی جاتی تھی کہ سرخ ہندیوں کو Exterminate or Banish کر دیا جائے۔ خون کے دریا بہا کر سونے کے دریا پیدا کیے گئے اس عہد کی المناک داستانوں کو تاریخ نگاروں نے محفوظ نہ رکھا کیوں کہ اس عہد کے تاریخ نگار، روشن خیال، مہذب و متمدن انسان سب اس بربریت اور لوٹ مار کو جائز سمجھتے تھے اور اس پر انھیں کوئی تاسف نہ تھا۔ ان مظالم پر نہ آسمان رویا نہ زمین کی آنکھ نم ہوئی نہ کسی کا سینہ شق ہوا، نہ کسی کا رنگ فق نہ کوئی چہرہ زرد ہوا، تاریخ کا یہ المناک خونی باب اب رفتہ رفتہ روشنی میں آ رہا ہے۔ قتال و جدال کی یہ کیفیت غیظ و غضب کی آخری حدود کو چھو چکی تھی، سرخ ہندی عورتوں بچوں کے لیے بھی ان مہذب متمدن تعلیم یافتہ دنیا کی اعلیٰ ترین گوری نسل کے دلوں میں ہمدردی اور محبت کا ایک شمہ بھی نہ تھا۔ سرخ ہندیوں کے وحشیانہ قتل عام کی عبرتناک داستانیں جو تین سو سال تک پوشیدہ رکھی گئی ہیں۔ اب رفتہ رفتہ منظر عام پر لائی جا رہی ہیں لیکن کئی چھلنیوں سے چھان کر اس کی تفصیلات Nash, Stannard, Sheehan, Wallace, Hoxie, La Perousse, Paddison, Nichols, Phillips, Hurtado, Heizer, Brown, Churchill, Cocker, Prucha, Madsen, Rommail, Micheal Man, Glain D. Page نے نہایت تفصیل سے اپنی کتابوں میں بیان کی ہیں اس موضوع پر درج ذیل کتابوں کا مطالعہ دلچسپی سے خالی نہ ہوگا۔

1. Nash, G. 1992. Red, White and Black: The Peoples of Early North America, 3rd ed. Englewood Cliffs, N.J.: Prentice Hall.
2. Stannard, D. 1992. American Holocaust: The Conquest of the New World. New York: Oxford University Press.
3. Sheehan, B. 1973. Seeds of Extinction: Jeffersonian Philanthropy and the American Indian. Chapel Hill: University of North Carolina Press.
4. Wallace, A. 1999. Jefferson and the Indians: The Tragic Fate of the First Americans. Cambridge, Mass.: Belknap Press.
5. Hoxie, F. 1984. A Final Promise: The Campaign to Assimilate the Indians, 1880-1920. Lincoln: University of Nebraska Press.
6. La Perousse, J.-F. 1989. Monterey in 1786: Life in a California Mission: The Journals of Jean Francois de la Perousse, ed. M.

Margolin. Berkeley: Heyday Books.

7. Paddison, J. 1999. A World Transformed: Firsthand Accounts of California Before the Gold Rush. Berkeley, Calif.: Heyday Books.
8. Nichols, D. 1978. Lincoln and the Indians: Civil War Policy and Politics. Columbia: University of Missouri Press.
9. Phillips, G. 1975. Chiefs and Challengers: Indian Resistance and Cooperation in Southern California. Berkeley & Los Angeles: University of California Press.
10. Hurtado, A. 1988. Indian Survival on the California Frontier. New Haven, Conn.: Yale University Press.
11. Heizer, R. 1993. The Destruction of California Indians. A Collection of Documents. Lincoln: University of Nebraska Press.
12. Brown, D. 1970. Bury My Heart at Wounded Knee: An Indian History of the American West. London: Barrie & Jenkins.
13. Churchill, Ward. 1997. A Little Matter of Genocide: Holocaust and Denial in the Americas, 1492 to the Present. San Francisco: City Light Books.
14. Cocker, M. 1998. Rivers of Blood, Rivers of Gold. London: Jonathan Cape.
15. Prucha, F. 1994. "Andrew Jackson's Indian Policy: A Reassessment," in Hurtado & Iverson (eds.), Major Problems in American Indian History.
16. Madsen, B. 1994. "Mormons, Forty-Niners, and the Invasion of Shoshone Country," in Hurtado & Iverson (eds.), Major Problems in American Indian History.

17. J. M. Gran The origions of war 2 vols Groningen: Origin Press 1995.

18. Glen D Paige Nonkilling Global Political Science Philadelphia: X Libris Corporation 2002.

19. Allen D. Grimshaw "Encyclopedia of violence, peace conflict 3 volumes N. Y. Academic Press 1999.

20 Chles W. Kegley and Wiltt Kopfe World politics: Trend & Transformation 6th London Macmillan Press LTD 2000.

21. JACK Porter Genocide and Human rights: A Global Anthology Lanham, Maryland, University Press of America 1982.

22. Chalk F. & K. J. The History and Sociology of Genocide, New Haven 1990.

23. Chany I. W. [Ede] Encyclopedia of Genocide Vol. 1 - 2 Santa Barbara California 1999.

24. Horowitz, I.L Taking lives: Genocide and State Power New Brunswick, New Jersy 1997.

25. Kupuer, L. Genocide, Its political use in the Twentieth Century New Haven 1981

یہ سوال انتہائی اہمیت کا حامل ہے کہ اعلیٰ تعلیم یافتہ یورپی آبادکار جو براعظم امریکا پر قابض ہونا چاہتے تھے اس قدر شقی القلب کیوں ہوگئے تھے؟ ظلم وستم کی ایسی داستانیں کیوں رقم کر رہے تھے جو تاریخ میں تاتاریوں نے بھی رقم نہیں کیں؟ تاتاری تاخت وتاراج کرتے ہوئے کروڑوں لوگوں کو قتل ضرور کرتے تھے لیکن قتل کے لیے وہ اذیت ناک طریقے استعمال کرنے کے بجائے اور قسطوں میں موت مہیا کرنے کے بجائے تلوار کے ایک وار سے کام تمام کردیتے۔ لیکن براعظم امریکا میں ۹ کروڑ سرخ ہندیوں کو بھوک، پیاس، افلاس، غربت، تشدد، بہیمیت، نفرت، بیماریوں، اذیتوں، تکالیف کے ذریعے جس طرح سسک سسک کر مرنے پر مجبور کیا گیا، انسانی تاریخ میں اس کی مثال نہیں ملتی۔

براعظم امریکہ میں سفاکی: وجوہات:

بہیمیت کی اس تاریخ کی تحقیق اس وقت تک ممکن نہیں جب تک ہم عیسائیت میں تحریف کے بعد

رہبانیت کے فروغ اور ریاست سے مذہب کی بے دخلی کی تاریخ کا بے لاگ مطالعہ کریں۔ سینٹ آگسٹائن کا یہ قول کہ خدا انسان بن گیا تا کہ انسان خدا بن سکے۔ اس نقطۂ نظر کے نتیجے میں عیسائیت کا خطرناک زوال شروع ہوا اور مغرب کے ہیومن ازم نے اسے ختم کر دیا۔ عیسائیت نے احکام الٰہی سے انحراف کر کے فطری طریق زندگی کو غیر فطری بنا دیا، قرآن نے اس کی مذمت کرتے ہوئے کہا ''انھوں نے رہبانیت خود اختیار کی لیکن اس کا حق ادا نہ کر سکے۔'' فطری طرز زندگی سے انحراف کے نتیجے میں طبیعت وحشیانہ ہو جاتی ہے جس کا اظہار بے شمار طریقوں سے ہوتا ہے۔ تحریف شدہ عیسائیت نے غیر فطری راستوں کا سفر شروع کیا تو دنیا کی حلال لذتوں کو بھی حرام قرار دیا گیا اور پاکیزگی وطہارت کے تمام تصورات ترک دنیا سے وابستہ کیے گئے، لیکی کی کتاب تاریخ اخلاق یورپ اس تاریخ کا ایک مختصر پرتو ہے جو غلاظت سے عبارت ہے اور جسے پڑھ کر لوگ خون کے آنسو رونے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ اس سفا کی کی کچھ اور وجوہات اور تفصیلات جریدہ تیس میں ''استعمار کے ہاتھوں زبانوں کے قتل عام کی تاریخ'' صفحہ ۲۹ تا ۳۱ میں دی گئی ہیں۔ عیسائیت نے یونانی فلسفے کی حکایات، روایات اور سائنس سے متاثر ہو کر اسے عیسائی اعتقادات کا حصہ بنا لیا جس کے نتیجے میں یونانی مفروضہ کہ زمین ساکن ہے اٹھارہ سو سال تک عیسائی الٰہیات کے معتقدات کا لازمی حصہ بنا رہا اصلاً یہ انجیل کا عقیدہ یا نظریہ نہ تھا بلکہ یہ نظریہ ارسطو کے افکار سے عیسائیت کی الٰہیات میں سرایت کر گیا تھا کیونکہ عیسائی علماء یونانی فلسفے اور سائنس سے بے حد متاثر تھے اور اسے مذہب عیسائیت کے فروغ کا ذریعہ سمجھتے تھے۔ عالم اسلام میں یہی طرز عمل معتزلہ اور فلاسفہ نے اختیار کرنے کی کوشش کی لیکن امام غزالیؒ نے ان کوششوں کو ناکام بنا دیا اور اسلام کو یونانی افکار فلسفہ اور سائنس کے مفروضات و خیالات سے اس طرح محفوظ رکھا کہ پندرہ صدیاں گزر جانے کے باوجود اس نظام میں کوئی رخنہ پیدا نہ ہو سکا۔ ''زمین ساکن ہے'' اس سائنسی مفروضے کا مطالعہ جب گیلی لیو نے کیا اور اس نے سائنسی مشاہدات کی بنیاد پر اس عقیدے کا انکار کیا تو اصلاً اس نے ایک سابقہ سائنسی نظریے کا انکار کیا تھا، لیکن یہ سائنسی نظریہ مذہبی عقیدے کے طور پر صدیوں سے رائج تھا لہٰذا اسے عیسائیت سے انکار کہا گیا اور ظلم و تشدد کی ایک تاریخ مرتب ہوتی چلی گئی۔ اس تشدد کے نتیجے میں مذہب سے بغاوت عام ہو گئی، عیسائیت نے Inquisition کے ذریعے مذہبی انحراف اور بغاوت کو روکنے کی متشددانہ کارروائیاں کی گئیں جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں کسی مذہب میں نہیں ملتی۔

ظلم و بربریت سفا کی و بہیمیت کا ردعمل تحریک اصلاح پروٹسنٹ ازم کے ذریعے ہوا اور کیتھولک چرچ کے خلاف بغاوت عام ہو گئی۔ لوتھر نے بائبل کی تشریح کا اختیار علماء کے بجائے ہر شخص کو دے دیا اور کہا کہ خدا سے براہ راست تعلق قائم کیا جائے، انجیل مقدس کو براہِ راست سمجھا جائے اور علماء کو رد کر دیا جائے۔ جس کے نتیجے میں عیسائیت تباہ و برباد ہو گئی۔ عیسائیت کے بہیمانہ ردعمل کے نتیجے میں سائنس دانوں کی توقیر بڑھی الحاد و زندقہ عام

ہوئے جس کے نتیجے میں مغربی فکر وفلسفے کی بنیادیں رکھی جانے لگیں۔ یورپ میں کلیسا کی شکست اورقومی ریاستوں کے قیام نے تمام اخلاقی حدود قیود کوختم کر دیا اور بے حجابی، الحاد، زندقہ، ظلم و بربریت کا سمندر اُمڈ آیا، قومی ریاستوں نے نوآبادیات قائم کیں، مغربی فکر وفلسفے کے فروغ کے ذریعے بین الاقوامی لوٹ مار کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایشیا، امریکا، افریقہ اور آسٹریلیا کے براعظموں کولوٹا گیا اور کروڑوں لوگوں کوقتل کر دیا گیا۔ بعض مؤرخین کے مطابق لوٹ مار کے اس عمل میں یورپ کے ہر گھر کا ایک نہ ایک فرد شریک تھا۔ عیسائیت کی شکست وریخت نے اخلاقی حدود و قیود ختم کر دی تھیں۔ لہٰذا کوئی اخلاقی رکاوٹ باقی نہ رہی تھی۔ عیسائیت کے ظلم وستم نے ان یورپی آبادکاروں کے دل محبت سے عاری کر دیے تھے اور بہیمیت وسفاکی ان کی زندگی کا لازمہ بن گئے تھے لہٰذا کسی ہمدردی، خیر اور مروت کا سوال پیدا ہونا محال تھا۔ Inquisition کے مذہبی مظالم دیکھنے والوں کے لیے غیر مذہب سرخ ہندیوں پر مظالم کو بہت آسان اور فطری بنا دیا گیا تھا۔ اس ذہنیت کے ساتھ یورپی آبادکار براعظم امریکہ میں داخل ہوئے تو ان کے پیش نظر اس زرخیز خطے پر قبضہ کے سوا کچھ نہ تھا اور اس میں حائل تمام رکاوٹوں کو دور کرنے میں کسی تاخیر کو برداشت کرنا ممکن نہ تھا کیوں کہ زندگی مختصر ہے اور اسے طویل منصوبوں کے سپرد نہیں کیا جا سکتا۔ عیسائیت کی خامیوں اور کمزوریوں کے باوجود عیسائیت کے مثبت اثرات یورپی معاشرے میں موجود تھے اس کی تاریخی شہادتیں تاریخ کی کتابوں میں محفوظ ہیں۔ ان مثبت اثرات کو عیسائیت کی غلطیوں اور کلیسا کی شکست نے ختم کر دیا جس کا نتیجہ براعظم امریکہ پر قابض سفید فام یورپیوں کی سفاکی کے ذریعے ظاہر ہوا۔

مغربی فکر وفلسفے، سرمایہ داری اور سرمایہ دارانہ نظام، صنعتی ترقی سے پہلے یورپ کی اخلاقی حالت کیا تھی، کس قسم کی اقدار اور روایات معاشرے میں مقبول تھیں، حریص اور حاسد شخص کا معاشرے میں کیا مرتبہ تھا، کلیسا معاشرے اور معاشرت کے لیے کیا خدمات انجام دیتا تھا۔ لوگ حرص اور ہوسِ دنیا سے کتنے دور تھے، دنیا پرستی، نفس پرستی اور لذت پرستی کا معاشرے میں کیا مقام تھا اس کی تفصیلات Leo Huberman نے اپنی کتاب Man's Worldly Goods میں بیان کی ہیں۔ اس کی کتاب سے چند اقتباسات درج کیے جا رہے ہیں۔

کلیسا کا زبردست معاشرتی کردار:

جاگیرداری نظام کی ابتداء میں کلیسا اس دور کے سماج کا ایک ترقی پسند اور زندہ جزو تھا جس نے رومن تہذیب کی بڑی حد تک حفاظت کی، علوم وفنون کی ترقی اور اشاعت میں حصہ لیا۔ اس مقصد کے لیے درسگاہیں قائم کیں، اس نے غریبوں کی مدد کی، یتیم خانوں کا انتظام کیا اور بیماروں کے لیے شفاخانے کھولے۔ کلیسا کی ان خدمات پر نگاہ کرتے ہوئے کہا جا سکتا ہے کہ کلیسا نے اس دور میں اپنے زیرِ تصرف ریاست کا انتظام اس دور کے بہت سارے دنیاوی رئیسوں کے مقابلے میں بہت بہتر کیا۔ لیکن اس تصویر کا ایک دوسرا رُخ بھی ہے جس نے

یورپ کے عیسائی سماج کو خاصا متاثر کیا۔ مثلاً جبکہ عام امراء اپنے حلقہ بگوشوں کی تعداد بڑھانے کے لیے اپنی مقبوضہ جاگیروں کو بانٹتے اور ٹکڑے ٹکڑے کرتے رہتے تھے، ان کے مقابلے میں کلیسا کی ریاست کا رقبہ دن بدن بڑھتا اور پھیلتا جاتا تھا۔

سرمایہ داری سے پہلے نفع کی نیت سے روپیہ کا استعمال

عوام کی اکثریت سود کو حرام سمجھتی تھی:

مثال کے طور پر سودخوری کے خلاف انگلستان میں ایک قانون پاس ہوا جس کے الفاظ یہ تھے:

''سودخوری خدا کے حکم سے بالکل حرام قرار دی گئی ہے۔ خدا کے احکام اور مذہبی تعلیمات ایسے شخص کے دل میں، جو دولت کی ہوس سے خراب ہو چکا ہو، جڑ نہیں پکڑ سکتے۔ ایسے شخص کے دل میں نیکی قبول کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی۔ اس لیے اس سلطنت کے لیے قانون بنایا جاتا ہے کہ اس ریاست کا کوئی شخص یا اشخاص خواہ وہ کسی مرتبہ کے ہوں، ان کا کوئی منصب ہو اور وہ کسی صفت اور حالت کے مالک ہوں، وہ کسی شعبے سے، کسی ذریعہ، کسی قاعدے سے کوئی رقم یا رقمیں کسی قسم کے سود پر نہیں دے سکتے اور نہ سود لے سکتے ہیں اور نہ سود لینے کی امید بھی کر سکتے ہیں۔ اس رقم پر جو انھوں نے قرض دی ہے وہ کوئی اضافہ نہیں لے سکتے اگر وہ اس حکم کی خلاف ورزی کریں گے تو ان کی رقم یا رقمیں اور ان کا سود سب ضبط کر لیا جائے گا''۔

قرن وسطیٰ میں سودخوری کو نفرت انگیز سمجھا جاتا تھا:

اس حکم اور قانون سے ہمیں واضح طور پر اس امر کا اندازہ ہوجاتا ہے کہ قرون وسطیٰ میں عوام کی بڑی تعداد کا خیال سودخوری کے متعلق کیا تھا۔ لیکن سوال جس پر غور ضروری ہے وہ یہ ہے کہ اس دور میں لوگ سود کے مخالف کیوں تھے؟ اس سوال کے جواب کے لیے ہمیں جاگیرداری نظام کے تانے بانے پر اچھی طرح نگاہ ڈالنی چاہیے۔ جاگیرداری زمانے میں تجارت بہت چھوٹے پیمانے پر ہوتی تھی۔ اس زمانے میں نفع کی نیت سے کہیں روپیہ لگانا نہ تو ممکن ہی تھا اور نہ ہی اس امر کی کوئی ضرورت ہی درپیش تھی۔

اگر کوئی شخص قرض چاہتا بھی تو اسے یہ کبھی خیال نہ ہوتا کہ وہ اپنی دولت میں اضافے کے لیے قرض لے رہا ہے، اس کو صرف زندگی کی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے قرض کی حاجت ہوتی تھی۔ دوسرے الفاظ میں قرض کی ضرورت زیادہ تر نادار لوگوں کو ہی پڑتی تھی۔ ان کے مویشی مرجاتے یا کثرت باراں سے فصل تباہ ہوجاتی تو وہ قرض کے طالب ہوتے۔ قرون وسطیٰ کے مروجہ اخلاق کا یہ تقاضا ہوتا تھا کہ اگر کوئی انسان یا ہمسایہ مصیبت میں مبتلا ہوجائے تو اس کی مدد انسانی فرض ہے اور اس کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر اپنے نفع کی فکر نہ کرنی چاہیے۔ نیک

عیسائی نفع کا خیال کیے بغیر اپنے پڑوسی کی مدد کرتا تھا۔

مذہبی اخلاقیات اور مغربی فلسفہ کی اخلاقیات کا فرق:

کسی کی مجبوری سے فائدہ اٹھا کر نفع لینے کا تصور نہ تھا:

اس دور میں کلیسا کا خیال تھا کہ انسان کی عملی زندگی کے نیک اور بد دو پہلو ہوتے ہیں۔ انسان کے مذہبی اعمال بھی اچھے برے پہلوؤں سے خالی نہیں، لیکن کلیسا نے ان پہلوؤں کے تعین کے لیے اپنے علیحدہ اصول نہیں بنائے تھے، بلکہ سماجی زندگی کی اچھائی برائی کے معیار اور معاشی زندگی کے اچھے اور برے پہلو جانچنے کے جو پیمانے عام طور سے تسلیم کیے جاتے تھے کلیسا نے بھی انہی کو اپنا لیا تھا۔ اس طریقۂ کار کا اگر آپ آج کی زندگی سے مقابلہ کریں تو بڑا فرق نظر آئے گا۔ تاجر کسی اجنبی کے ساتھ تجارتی معاملات میں کچھ ایسی باتیں کرسکتا ہے جو وہ اپنے دوستوں اور ہمسایوں کے ساتھ روا نہیں رکھ سکتا۔ [مغربی فکر و فلسفے نے عیسائی اخلاقیات کا خاتمہ کر دیا]

سترہویں صدی سے پہلے اور اس کے بعد

دین و دنیا کی تفریق کا تصور:

دوسرے الفاظ میں، اب ہم نے تجارت اور زندگی کے دوسرے معاملات کے لیے علیحدہ علیحدہ دو معیار بنا رکھے ہیں۔ ایک کارخانہ دار اپنے حریف کارخانہ دار کو میدان سے ہٹانے کے لیے کچھ بھی کرسکتا ہے۔ وہ چیزیں کم قیمت پر فروخت کرے گا اور ہر قسم کے ایسے داؤ استعمال کرنے سے بھی گریز نہیں کرے گا جن سے وہ اپنے مدمقابل صنعت کار یا تاجر کو میدان سے ہٹنے پر مجبور کر سکے۔ اب تاجر کا ایک تجارتی اخلاق وضع ہوگیا ہے جس کا بنیادی اصول ہی یہ بن گیا ہے کہ ''کاروبار کاروبار ہے'' جس کے دائرے میں وہ اپنی جارحانہ حرکات کو بالکل جائز سمجھتا ہے۔ اس کو اپنے مدمقابل صنعت کار کی تباہی سے قطعاً رنج نہیں ہوگا حالانکہ یہی شخص اپنے پڑوسی یا دوست کی ایک وقت کے فاقے کی مصیبت بھی نہ دیکھ سکے گا۔ اس طرح سے تاجر اور صنعت پیشہ لوگوں نے اپنی کاروباری زندگی کے لیے کچھ اور اصول بنا لیے ہیں اور غیر کاروباری زندگی کے لیے کچھ اور۔ لیکن قرون وسطیٰ میں اہل کلیسا کے نزدیک زندگی کے یہ دوسرے اصول جو آپس میں ایک دوسرے سے متضاد ہوں درست نہیں تھے اور اس زمانے میں چرچ جو سوچتا تھا سماج کی اکثریت بھی وہی سوچتی تھی۔

دولت کے انبار جمع کرنا غیر اخلاقی کام ہے:

قرون وسطیٰ میں دولت کے انبار جمع کرنا اخلاقی نقطۂ نظر سے درست نہیں سمجھا جاتا تھا۔ صرف اتنا روپیہ جو زندگی کی ضروریات کی کفالت کر سکے کافی سمجھا جاتا تھا چنانچہ بائبل میں اس بارے میں کھلے ہوئے احکام

موجود ہیں: ''یہ ممکن ہے ایک اونٹ سوئی کے ناکے سے گزر جائے لیکن یہ ہرگز ممکن نہیں کہ ایک دولت مند خدا کی بادشاہت میں داخل ہوسکے''۔

معاشرے میں دولت مند قابل عزت نہیں تھے:

قرون وسطیٰ کے اہل کلیسا کا ایک اور تجزیہ نگار لکھتا ہے:

''جس شخص کے پاس اپنی ضروریات کی کفالت کے لیے روپیہ موجود ہو لیکن وہ پھر بھی دولت کی مسلسل طلب میں ہاتھ پیر مارتا ہو صرف اس لیے کہ اپنی دولت کے زور سے سماج میں زیادہ اونچا درجہ حاصل کرے، یا آئندہ بغیر ہاتھ پیر ہلائے زندگی کی ضرورتیں آسانی سے پوری کرتا رہے، یا اتنی دولت چھوڑ جائے کہ اس کے لڑکے ایک صاحب دولت وصاحب عزت آدمی کی حیثیت سے رہ سکیں، وہ قابلِ نفرت حد تک حریص ہے، نفس پرستی اور غرور کا بندہ ہے''۔

یورپ کی یہ صورت حال سرمایہ دارانہ نظام کے فروغ سے پہلے تک برقرار تھی لیکن مغربی فکر وفلسفے کے فروغ کے نتیجے میں اخلاق رذیلہ وخبیثہ عام ہوئے اور سرمایہ داری نے حرص وحسد کو عالمگیر جذبہ بنادیا اس جذبے کے نتیجے میں سرمایہ کا پہیہ بہت تیزی سے گردش کرنے لگا مختلف براعظموں میں لوٹ مار کے مال سے یورپ میں ایجادات کا سیلاب آگیا اور صنعتی ترقی کے لیے انسانوں پر مظالم کی آزادی عطا کردی گئی۔

قومی ریاستیں اور تجارت:

عیسائی ریاست کے خاتمے اور قومی ریاستوں کے قیام کے نتیجے میں کلیسا بھی قومیتوں سے مخصوص ہوگئے اور آزادی کے تصورات نے اخلاقیات کا خاتمہ کردیا۔ سرمایہ داری نظام نے تجارت کے بطن سے جنم لیا تجارت سے مراد صرف چیزوں کا تبادلہ ہی نہیں اس تجارت کے لفظ کے پیچھے ایک دنیا چھپی ہوئی ہے جس میں چوری، ڈکیتی، بلیک مارکیٹ، اسمگلنگ، منشیات کی فروخت سبھی شامل ہیں۔ کیا ایسٹ انڈیا کمپنی نے افیون کی تجارت نہیں کی تھی؟ کیا ایسٹ انڈیا کمپنی نے باقاعدہ اسمگلنگ اور ڈاکہ زنی کو روا نہیں رکھا تھا؟

اسپین کی شہری حکومتوں نے صلیبی جنگوں میں مغربی یورپ سے بلاوجہ امداد طلب نہیں کی تھی۔ یہ تمام مذہبی لڑائیاں دراصل تجارتی ضرورتوں کے تحت ہی لڑی گئی تھیں۔ ان مذہبی لڑائیوں میں فتح حاصل کرنے کے بعد اطالوی فاتحین نے مال غنیمت سے اپنے گھر بھرلیے، اور اس طرح دولت مشرقی ممالک سے نکل کر اطالوی تاجروں اور مہاجنوں کے ہاتھوں میں پہنچ گئی۔ جون ہوبسن اس تجارت کے متعلق لکھتا ہے:

''اس طرح بہت پہلے نفع بخش تجارت کی بنیاد رکھی گئی۔ اس تجارت نے مغربی یورپ میں دولت کے انبار لگادیے اور اس طرح وہ ضروری سرمایہ اکٹھا ہوگیا جو آگے چل کر ان ملکوں میں سرمایہ دارانہ

پیداوار کا موجب بنا''۔

سرمایہ دارانہ نظام کے لیے لوٹ مار:

''امریکہ میں سونے اور چاندی کی دریافت، دیسی آبادی کی تباہی، زبردستی غلام بنانے کی مہم، قدیم دیسی باشندوں کی امریکی کانوں میں تدفین، ہندوستان اور ویسٹ انڈیز پر فاتحانہ یلغار اور ان کی لوٹ کھسوٹ، اور افریقہ کے براعظم کا کالی چمڑی کے لوگوں کی تجارت کے لیے شکارگاہ بننا، یہ وہ بنیادیں تھیں جن پر سرمایہ دارانہ نظام کے دورجدید کی عمارت کھڑی کی گئی''۔

سرمایہ داری کی نشو ونما اور ارتقاء میں جن مظالم کا ہاتھ ہے ہر دور میں ان کے متعلق پڑھ کر رونگٹے کھڑے ہوتے ہیں۔مثال کے طور پر انگلستان کے پروفیسر ایچ میری ویل نے ۱۸۴۰ء میں آکسفورڈ یونیورسٹی میں لیکچروں کا ایک سلسلہ ''نوآبادیات اور نوآبادکاری'' کے عنوان سے شروع کیا تھا۔ایک لیکچر کے دوران انھوں نے ایک سوال اٹھایا اور خود ہی اس کا جواب دیتے ہوئے بتایا:

افریقی غلاموں کا مغربی معیشت میں کردار

''لیور پول اور مانچسٹر جو معمولی قصبوں کی حیثیت رکھتے تھے کیوں اتنے بڑے اور عظیم الشان شہر بن گئے؟ کیا چیز ان کی ہمیشہ جاری رہنے والی صنعت کا پیٹ بھرتی رہی اور ان کی تیزی سے بڑھنے والی دولت کا موجب ہوتی رہی؟ ان شہروں کی موجودہ دولت افریقی حبشیوں کی عرق ریزیوں اور تباہ حالیوں کی مرہون منت ہے۔ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے انھیں حبشیوں کے ہاتھوں نے ان کی بندرگاہیں بنائی ہوں اور ان کے بھاپ کے انجنوں کو بنایا ہو۔'' [پروفیسر میری ویل]

سرمایہ داروں کی جانب سے غلامی کی شدید مخالفت:

اور پھر جب روشن خیالی کی ہوائیں انگلستان میں چلنی شروع ہوئیں تو برطانوی پارلیمنٹ کے کچھ لبرل اراکین پارلیمنٹ نے حبشیوں کی غلامی کے رواج کے خاتمے پر اصرار کرنا شروع کیا۔اس کے جواب میں لیور پول کے تاجروں نے ۱۷۸۸ء میں پارلیمنٹ کو ایک عرض داشت پیش کی، جس میں کہا گیا تھا:

''یہ درخواست کنندگان اس تحریک کو جو افریقی غلاموں کی خرید و فروخت پر پابندی کے سلسلے میں شروع گئی ہے بڑی تشویش اور اضطراب کی نگاہ سے دیکھتی ہے۔یہ تجارت سالہا سال سے لیور پول کی تجارت کی بڑی وسیع شاخ کی حیثیت سے جاری چلی آرہی ہے۔آپ کے درخواست کنندگان التجا کرتے ہیں کہ اس تجارت پر پابندی عائد کرنے کی کوئی بات نہ سنی جائے''۔

سائنسی ایجادات کا انقلاب کیسے آ گیا؟

اٹھارویں صدی کے وسط تک انگلستان زیادہ تر ایک زراعتی ملک تھا۔ تقریباً ۱۷۶۰ء کے بعد سے اس ملک میں تیزی سے مشینی ایجادات ہونا شروع ہوئیں جنھوں نے ایک زبردست انقلاب کی بنیادیں ڈالیں جو تاریخ میں صنعتی انقلاب کے نام سے مشہور ہے۔ حالانکہ انگلستان ایک طویل عرصے سے معاشی تبدیلیوں سے گذر رہا تھا لیکن ذرائع پیداوار میں یہ ایجادیں ''یکا یک'' ایک مخصوص زمانے میں کیوں ظاہر ہوئیں؟ اس سوال کا جواب پام دت کی زبانی سنیے:

''......اٹھارویں صدی کے نصف آخر میں ہندوستان میں (برطانوی ایسٹ انڈیا کمپنی کے ہاتھوں) جو لوٹ مار مچائی گئی اس کی بنیادوں پر جدید انگلستان کی تعمیر ہوئی۔ جب ۱۷۵۷ء میں پلاسی کی جنگ ہوئی اور اس میں برطانیہ ایسٹ انڈیا کمپنی نے ریشہ دوانیاں کر کے فتح حاصل کر لی تو اس کے بعد ایسا معلوم ہوتا تھا جیسے ہندوستان اور انگلستان کے درمیان بند ٹوٹ گیا ہو۔ ہندوستان کی دولت سمندری طوفان کی طرح انگلستان میں آنے لگی۔ اس دولت کی فراوانی نے انگلستان میں ایجادات کے لیے فضا سازگار بنا دی۔ پلاسی کی جنگ کے فوراً بعد انگلستان میں کئی بڑی بڑی چیزیں ایجاد ہوئیں جن سے صنعتی انقلاب کی ابتدا ہوئی''۔

۱۷۶۴ء میں بارگریوز نے کاتنے کی مشین ایجاد کی۔ ۱۷۶۵ء میں واٹ نے بھاپ کا انجن بنایا، جسے ۱۷۶۹ء میں پیٹنٹ کر دیا گیا تا کہ کوئی اور شخص موجود کی اجازت بغیر اس مشین کو نہیں بنا سکے۔ ۱۷۵۵ء میں آرک رائٹ نے سوتی کپڑے کی دوسری مشینیں ایجاد کیں۔ ۱۷۸۵ء میں کارٹ رائٹ نے بھاپ سے کرگھے چلانا شروع کیے اور ۱۷۸۸ء میں کئی ایک انجن اور بھٹیاں بھاپ سے چلنے لگیں۔ ان واقعات سے پتہ چلتا ہے کہ اب انگلستان میں ان ایجادوں سے فائدہ اٹھانے کے لیے مواقع کھل گئے تھے، کیوں کہ اس سے پہلے بھی، اٹھارویں صدی کے ابتدائی نصف میں کئی ایک ایجادات ہوئی تھیں لیکن چونکہ ان سے فائدہ اٹھانے کے مواقع (ایک طرف سرمایہ دوسری طرف مارکیٹ) نہیں تھے اس لیے ان ایجادات کا کوئی نتیجہ نہیں نکلا۔ مثال کے طور پر ۱۷۳۸ء میں وائٹ نے پانی کی طاقت سے چلنے والی کپڑا بننے کی مشین ایجاد کی، لیکن وہ رائج نہیں ہو سکی۔ اسی طرح اس سے پہلے فلائنگ شٹل ایجاد ہوئی لیکن وہ بھی رواج نہ پا سکی۔

لوٹ مار کے نتیجے میں ذہانت پھوٹ پڑی:

برطانیہ کی صنعتی تاریخ کے ماہر ڈاکٹر کنگھم نے اپنی کتاب عہد جدید میں برطانوی صنعت وتجارت کی ترقی میں لکھا ہے کہ برطانیہ میں اس زمانے میں اتنے بڑے پیمانے پر ایجادیں صرف اس لیے نہیں ہونے لگی تھیں کہ ''جیسے لوگوں کی ذہانت آناً فاناً پھوٹ پڑی ہو'' اور اس کی صحیح طریقہ سے کوئی توجیہہ نہ کی جا سکتی ہو۔ بلکہ اصل وجہ

یہ تھی کہ ملک میں سرمایہ اتنا اکٹھا ہوگیا تھا کہ ان ایجادات کا مصرف نکلنے کا امکان پیدا ہوگیا تھا۔ کنگھم مزید لکھتا ہے:

''آرک رائٹ اور واٹ خوش قسمت تھے کہ حالات ان کے موافق تھے۔ جب قیمتی آلات بنائے جاتے ہیں یا ایسے طریقے معلوم کیے جاتے ہیں جن میں لاگت بہت آتی ہے تو اس کے لیے بڑے سرمائے کی ضرورت پڑتی ہے۔ کوئی آدمی خواہ وہ کتنا ہی ذہین اور محنتی کیوں نہ ہو کسی چیز پر اس وقت تک محنت نہیں کرے گا جب تک اس کو کافی سرمایہ نہ مل سکتا ہو اور وہ جو چیز بنائے اس کے لیے وسیع منڈی نہ ہو۔ اٹھارویں صدی میں ان دونوں چیزوں کے نقطۂ نظر سے حالات زیادہ سے زیادہ موافق بن رہے تھے۔ بنک آف انگلینڈ اور دوسرے بہت سے بنک قائم ہو چکے تھے جن کی وجہ سے سرمایہ اکٹھا ہو رہا تھا۔ اب ایک قابل اور ہوشیار آدمی کے لیے پہلے سے کہیں زیادہ آسان ہو گیا تھا کہ وہ اپنے کاروبار میں نئے، قیمتی اور ترقی یافتہ طریقے رائج کر سکے''۔

وجہ یہ تھی کہ جب مثلاً واٹ کا ایجاد کردہ بھاپ کا انجن مارکیٹ میں آیا تو اس نے انگلستان کی صنعت میں فوراً مقبولیت حاصل کر لی۔ ۱۸۰۰ء تک یہ ۳۰ کوئلے کی کانوں، ۲۲ تانبے کی کانوں، ۲۸ فاؤنڈریوں، ۱۷ شراب کی بھٹیوں اور ۸۴ سوت کی ملوں میں استعمال کیا جانے لگا تھا۔

صنعتی انقلاب نے زندگی دوبھر کر دی:

بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ مشین اور ایجادات انسانی زندگی میں آسودگی کا باعث ہوں گے۔ لیکن ہوا کیا، اس کا ذکر مشہور برطانوی وزیرِ اعظم اور ناول نویس ڈزریئلی نے اپنے ناول سبل (Sybil) میں کیا ہے:

''دو قومیں ہیں جن کے درمیان نہ باہمی سلوک ہے اور نہ ہمدردی۔ دونوں قومیں ایک دوسرے کے خیالات، عادات و اطوار اور محسوسات سے بھی ناواقف ہیں، جیسے یہ دونوں قومیں دنیا کے دو الگ گوشوں کی رہنے والی ہوں یا دونوں ایسے دو سیاروں کی باسی ہوں جن میں آپس میں کوئی تعلق نہیں۔ ان کی نسلیں بھی الگ معلوم ہوتی ہیں یہ دونوں قومیں الگ الگ غذائیں استعمال کرتی ہیں، ان کے انداز و اطوار بھی مختلف ہیں اور ان دونوں کے لیے قوانین بھی الگ الگ وضع کیے گئے ہیں''۔

تم کس کا ذکر کر رہے ہو؟ اگریمونٹ نے جھجکتے ہوئے پوچھا۔

''امیروں کا اور غریبوں کا''۔

سرمایہ داری کے مظالم کی المناک تاریخ:

سرمایہ داری نظام جیسے جیسے ترقی کرتا گیا ویسے ویسے لوگوں اور فیکٹریوں میں کام کرنے والوں کی زندگیاں اجیرن ہوتی گئیں۔ یہ زندگیاں کیا تھیں عذاب کا ایک جیتا جاگتا مظہر تھیں۔ لوگ موت کو زندگی پر ترجیح

دیتے تھے۔اس دور کے مظالم پر جتنی تصنیفات وجود میں آئیں غالباً انگریزی زبان میں کسی اور موضوع پر اتنی کتب شائع نہیں ہوئیں۔ان میں ناول بھی تھے، افسانے اور شاعری بھی اور تحقیقی کتب بھی۔اس کا اندازہ ایک تحقیقی کتاب کے ایک اقتباس سے لگایا جاسکتا ہے، جس میں ٹومس ہیتھ کا، جو ایک جولاہا تھا، بیان دیا گیا ہے:

''سوال: تمہارے کتنے لڑکے ہیں؟

جواب: دو لڑکے تھے لیکن شکر ہے دونوں مر گئے۔

سوال: کیا تم کو ان کے مرنے سے سکون ہوا؟

جواب: جی ہاں بہت! اس احسان کے لیے خدا کا بہت بہت شکر گزار ہوں کہ ان کی پرورش کے بوجھ سے نجات پا گیا۔وہ غریب، پیاری جانیں بھی اس فانی زندگی کے عذابوں سے نجات پا گئیں۔''

مشینوں کی ایجادات کے ساتھ جو کارخانے وجود میں آئے اور انھوں نے اس میں کام کرنے کے جو طور طریقے رائج کیے وہ انسانوں کے لیے بالکل نئے تھے۔یہ ایک نئی زندگی تھی جس کا بوجھ ان کے لیے ناقابلِ برداشت تھا۔

سرمایہ داری کی ظالمانہ بنیادیں: ظالمانہ تاریخ:

اس دور کے مظالم کی داستان اتنی المناک اور رلا دینے والی ہے کہ آج بھی جب دنیا بالکل ہی بدل گئی ہے اور اب یہ تمام مظالم قصہ پارینہ بن گئے ہیں، اس کے باوجود ان حالات کے متعلق اب بھی جب پڑھا جاتا ہے یا لکھا جاتا ہے تو دل دہل جاتا ہے۔لیکن ان کا مطالعہ از بس ضروری ہے تاکہ سرمایہ داری نظام کی فلک بوس عمارتوں اور محلات جن انسانوں، بچوں اور عورتوں کے خون پسینے کی محنت سے کھڑے ہوئے ہیں ان کی زندگیوں اور ان پر روا رکھنے والے مظالم کا پورا پورا ادراک ہو سکے۔

اس منظر نامے کے ساتھ جب ہم براعظم امریکہ میں یورپی آبادکاروں کی بہیمیت، سفاکی، درندگی کا مطالعہ کرتے ہیں تو ہمیں اس کے حقیقی پس منظر، پیش منظر، تہہ منظر سے کامل آگہی حاصل ہوجاتی ہے کہ مہذب و متمدن لوگوں نے سرخ ہندیوں کو اتنی بے دردی سے قتل کیوں کیا؟ کسی قوم وملت کی اخلاقیات اس کے مابعد الطبیعیاتی نظام اس کی الٰہیات اور اس کی علمیات کے بطن سے طلوع ہوتی ہیں۔سترہویں صدی سے پہلے مغرب کی علمیات الہامی مذہب پر مبنی تھی۔سترہویں صدی کے بعد وحی الٰہی، الہام، مذہب ذریعہ علم کے طور پر مسترد کر دیے گئے لہٰذا نئی علمیات مادہ پرستی کی علمیات تھی جس کا نقطۂ عروج مادہ پرستی [عورت پرستی] تھا اور اخلاقیات اس علمیات کا موضوع نہ تھا۔

براعظم امریکا کی آبادی افریقہ اور یورپ سے زیادہ تھی:

Non Killing Global Political Science کے مقدمہ نگار ڈاکٹر سکندر مہدی کے مطابق: قبل از قتل عظیم [Mega Murder] براعظم امریکہ کی مقامی آبادی اس وقت کی افریقہ اور یورپ کی مجموعی آبادی کے مقابلے میں زیادہ بڑی تھی۔ امریکہ کے قدیم باشندوں میں سے ۸۰ لاکھ افراد براہ راست جنگ میں موت کا شکار ہوئے یا پھر جنگ اور تشدد سے تعلق رکھنے والے امراض اور شکست کے باعث موت سے ہم کنار ہوئے۔

اسی لاکھ سرخ ہندی اکیس سال میں ہلاک کیے گئے:

سکندر مہدی کی تحقیقات کے مطابق یہ ۸۰ لاکھ سرخ ہندی کولمبس کے امریکہ پہنچنے کے صرف اکیس سال کے اندر ہلاک ہوئے، صرف دو عشروں میں اتنے بڑے پیمانے پر امریکہ کے اصل باشندوں کا قتل عام اس بہیمیت کا منظر نامہ پیش کرتا ہے جو عیسائیت سے انحراف اور مغربی فکر و فلسفے کے فروغ کا لازمی نتیجہ تھا۔

اسٹینرڈ کے مطابق پندرہویں صدی کے اختتام پر کرۂ ارض پر دس کروڑ سے زیادہ افراد بستے تھے اور چند صدیوں کے بعد ان کی تعداد تقریباً ۵۰ لاکھ رہ گئی لیکن اس نے یہ نہیں بتایا کہ ساڑھے نو کروڑ لوگ کہاں چلے گئے۔ مائیکل مین کی کتاب Dark Side of Democracy اس موضوع پر ہلکی سی روشنی ڈالتی ہے لیکن یہ روشنی بھی بہت دھندلی ہے اس کے مطابق براعظم امریکہ میں نو کروڑ سرخ ہندیوں کو قتل کر دیا گیا تھا۔ جب کہ سکندر مہدی، ڈاکٹر جاوید اکبر انصاری اور علی محمد رضوی مقتول سرخ ہندیوں کی تعداد صرف اسی لاکھ یا ایک کروڑ بیان کرتے ہیں لیکن مائیکل مین کی تحقیقات نے تاریخی گرد و غبار کو صاف کر کے سرخ ہندیوں کے قتل عام کو ایک نئی جہت عطا کی ہے۔

Encyclopaedia of Violence Peace and Conflict Vol.II میں Genocide and Democide کے موضوع پر تحقیقات میں ثابت کیا گیا ہے کہ بیسویں صدی سے قبل معلوم تاریخ کے ایک ہزار برسوں میں ایک کروڑ سے زیادہ افراد قتل کیے گئے جن میں ۲۲۱ قبل مسیح اور ۱۹ ویں صدی کے اختتام کے مابین تین کروڑ چالیس ہزار افراد ہلاک کیے گئے۔ افریقیوں کو غلام بنانے کے نتیجے میں ایک کروڑ ۷۰ لاکھ افراد قتل ہوئے۔

یورپی باشندوں کی آمد سے لے کر ۱۹ ویں صدی کے اختتام تک نصف مغربی کرہ میں ایک کروڑ ۴۰ لاکھ افراد قتل کیے گئے۔ اس طرح یہ چار قتلِ عام تقریباً دس کروڑ افراد کا احاطہ کرتے ہیں۔ [انسائیکلوپیڈیا آف وائلنس، پیس کنفلکٹ تین حصے اکیڈمک پریس، ص ۶۰، ۱۹۹۹ء]

تقابل: ہٹلر کے مقتولین اور براعظم امریکہ کے مقتولین:

یہ بات حیرت انگیز ہے کہ ایک ہزار سال کی تاریخ میں جتنے لوگ ہلاک اور قتل کیے گئے اس سے زیادہ تعداد امریکہ کے یورپی آبادکاروں کے ہاتھوں صرف ایک صدی میں قتل کر دی گئی۔ ایک ہزار سال میں ۶ کروڑ لوگوں کا قتل عام لیکن صرف ایک صدی میں دنیا کے مہذب ترین انسانوں کے ہاتھوں جو نئی روشنی، نشاۃ ثانیہ، تحریک تنویر، رومانی تحریک، عقلیت، علم، بنیادی حقوق، لبرل ازم، انسانیت، آزادی اور انسان کی خدائی کے دعوے لے کر اٹھے تھے ان کے ہاتھوں صرف ایک صدی میں نو کروڑ سرخ ہندیوں کے نشیموں پر بجلیوں کا کارواں گزر گیا اور دنیا خاموش رہی۔ اعداد و شمار کی جادوگری بھی عجیب ہے۔ براعظم امریکہ میں سرخ ہندیوں کے قتل عام کی تاریخ معلوم کرنے اور اس سلسلے میں اعداد و شمار جمع کرنے کے لیے انٹرنیٹ پر ۲۶ ہزار ویب سائٹس کا مطالعہ کیا گیا۔ افسوس کی بات یہ ہے کہ چند ویب سائٹس کے سوا بیشتر سائٹس اس قتل عام کے بارے میں خاموش ہیں اور جن سائٹس پر معلومات مہیا کی گئی ہیں وہ ادھوری، ناقص، نامکمل، محرف، اور نہایت مختصر ہیں اس کے برعکس ہر ویب سائٹ ہٹلر اور ترکوں کے مظالم کی عجیب و غریب کہانیاں سناتی ہے جب کہ ہٹلر اور ترکوں نے مجموعی طور پر اتنے لوگوں کا قتل عام نہیں کیا جس قدر قتل عام امریکہ کے اصل باشندوں کا تہذیب جدید کے معماروں نے کیا۔

براعظم امریکہ کے اصل باشندوں کو لوٹنے، برباد کرنے کے لیے جو طریقے اختیار کیے گئے اس کی ہلکی سی جھلک مائیکل مین کے درج ذیل بیان میں دیکھی جا سکتی ہے۔

They needed labor, but their early attempts to capture and tie Indians to dependent labor failed. These hunter-gatherers wasted the land; they did not improve it, they were idle. From John Locke to contemporary Israelis dispossessing Palestinians, Europeans have argued that those who work and improve the land are entitled to it. The New World was thus vacuum domicilium or terra nullius, an "empty" home or land, the bounty of God to civilized peoples. They made lesser attempts to employ the natives, convert them to Christianity, intermarry with them, or culturally assimilate them.

Like the frying of Indian men, women, and children in villages they had torched - as "God laughing at his enemies" [page No.84]

یورپی آبادکاروں نے ان معصوم سرخ ہندیوں کو کس طرح تباہ و برباد کیا اس کی ایک جھلک مائیکل مین

کے مطابق:

The Indians' environment became degraded and they died, even without wars. The settlers had the political and military power to achieve these dire ends without much risk to themselves. There were forcible mass deportations of sick and hungry natives, whose chances of survival outside their traditional lands were poor. The Indians were crowded on to smaller and smaller hunting lands and reservations. Many Europeans recognized the relentless ethnocide this involved but did nothing. [page No.85]

سرخ ہندیوں کے لیے گالی نما القابات:

یورپی آبادکار مقامی باشندوں کو جاہل، بت پرست، ملحد، پلید، ناپاک، کیڑے مکوڑے، گنوار، کتے، بھیڑیئے، سانپ، سوراور بے عقل گوریلے کے نام سے پکارتے تھے۔ بھوک اور پیاس کے باعث ان باشندوں کی قوت مزاحمت ختم کردی گئی تو ان پر بے شمار بیماریاں حملہ آور ہوگئیں جس سے یہ کیڑے مکوڑوں کی طرح مرنے لگے ان کی موت کا مہذب متمدن یورپی آبادکاروں کو کوئی دکھ تھا نہ افسوس نہ صدمہ اور نہ غم کیونکہ یہ انسان ہی نہیں تھے لہٰذا انسانیت کے زمرے سے خارج لوگوں سے ہمدردی بھی خارج از امکان تھی۔ بیماریوں کے باعث مرنے والوں کی ہلاکت پر یورپی آبادکار خوشی کا اظہار کرتے اور اسے خدا کی عظیم مہربانی اور رحمت کے نام سے یاد کرتے۔ سفاکی، درندگی، بہیمیت کی یہ کہانی مغربی مؤرخین و مصنفین کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

Europeans perceived an enormous difference in civilizational level between themselves and natives. The natives were illiterate, "idolatrous," "heathen," "naked," and "dirty." Before their own arrival, this had been a land "full of wild beasts and wild men," "a hideous and desolate wilderness." The settlers could distinguish between the proud bearing and military skills of the Plains Indians and the lightly clad hunter-gatherers of California, described as "beasts," "swine," "dogs," "wolves," "snakes," "pigs," "baboons," and "gorillas." But ultimately, Indians were "savages." Divine Providence was there for all to see in

the form of disease. John Winthrop described the smallpox epidemic of l6l7 as God's way of "thinning out" the native population "to make room for the Puritans." William Bradford wrote, "It pleased God to visit these Indians with a great sickness and such a mortality that of a thousand, above nine and a half hundred of them died. Followers of the Lord, he said, could only give thanks to "the marvelous goodness and providence of God" (quotes from Nash, 1992: 136; Stannard, 1992: 238). Whatever they did to the natives could be justified ideologically. [Page No.85]

کیا یہ ممکن نہیں تھا کہ یورپی آبادکاروں اور سرخ ہندیوں کے درمیان افہام وتفہیم پیدا ہو جاتی، مائیکل مین اس کا جواب نفی میں دیتا ہے اور اس کا ذمہ دار خدا اور سائنس کو ٹھہراتا ہے۔

Civilization might be learned, but race was fixed. God plus science reinforced economic, military, and political power to make it difficult for Europeans and Indians to live among each other. [Page No.86]

افسوسناک بات یہ تھی کہ کلیسا جو انسانیت کا دعوے دار تھا نسل کشی کے اس عمل میں سفید فام باشندوں کا ہم خیال تھا امریکا اور آسٹریلیا میں اس کا کیا کردار رہا؟ اس کی ایک جھلک درج ذیل تحریر میں ملاحظہ کیجیے:

The various churches were much closer to the white settler communities they served. Though local priests and ministers might be more moderate than their congregations, they had little power over them. As in Australia, they played second humanitarian fiddle to missionary movements, which provided the main early pressure group for assimilating rather than eliminating natives. [Page No.87]

سرخ ہندیوں کو اپنی تہذیب، تاریخ اور مذہب میں سمونے کی کوشش کی گئی لیکن سرخ ہندی اپنی تاریخ، روایات اور مذہب سے اتنے پیوست تھے کہ یہ تمام کوششیں ناکام ہوگئیں، روشن خیال امریکی صدور سرخ ہندیوں کو عیسائی بنانا چاہتے تھے لیکن یورپی آبادکار اپنے معاشروں میں سرخ ہندیوں کے وجود کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔

Presidents Washington and Jefferson, several secretaries of war, and

federal Indian agencies all worked closely with missionaries and schools in this assimilation project. They warned that any resistance would meet with certain defeat, but they did not conceive of assimilation as coercive. This was not popular with most settlers, who opposed all assimilation. [Page No.88]

جن سرخ ہندیوں نے یورپی آبادکاروں کی تہذیب، تمدن، مذہب کو اختیار کرلیا وہ بھی اجنبی رہے اور سفید فام معاشرے نے انھیں قبول کرنے سے انکار کردیا، کیوں کہ سرخ ہندی یورپی آبادکاروں کے خیال میں بنیادی طور پر انسان کے روپ میں بھیڑیے تھے، جانوروں کی کھالوں، ہڈیوں میں ملبوس درندے تھے، جنھیں خدا نت نئی بیماریوں کے ذریعے ہلاک کررہا تھا تاکہ سفید فام نسلوں کے ہاتھ ان کے خون سے رنگین نہ ہوں اور نسل کشی کا کام زمین کے بجائے آسمان سے قدرتی آفات کے ذریعہ ہوتا رہے۔ سفید فاموں کے اندر شمولیت کی خواہش رکھنے اور کوشش کرنے والوں کا انجام کیا ہوا؟ انھیں نہ سرخ ہندیوں کے معاشرے میں جگہ ملی نہ انھیں سفید فام اقلیت نے قبول کیا۔ یہ طبقہ بے یارومددگار ہوکر تہس نہس ہوگیا۔

Neither community was much interested in intermarriage. Prominent colonials and traders fathered children by Indian women, but they rarely legitimized them. Permanent interracial unions were commoner among frontier traders and laborers in southern colonies with a surplus of males. Mixed blood was accepted in Indian communities, but most of the few Indians or half-breeds who tried to join white society were rejected (Nash, 1992: 280-5). Cherokees who had become private propertied planters were rejected in the 1820s, and when Cherokees acquired permanent political institutions, the State of Georgia would not accept them. It lobbied hard for the deportation of the Cherokee and achieved this in I834 (Champagne, I992: I33, I43-6).

سرخ ہندیوں کو اپنی تہذیب و ثقافت میں جذب کرنے، تحلیل کرنے، خلط ملط کرنے [Assimilation] کا عمل جب بری طرح ناکام ہوگیا تو سرخ ہندیوں کے تحفظ کی وکالت کرنے والے اپنے موقف سے دستبردار ہوگئے اور طے کیا گیا کہ سرخ ہندیوں کو مسسپّی کے مغرب میں نئے قبائلی علاقوں کی طرف

جلا وطن کر دیا جائے۔ ۱۸۳۰ء میں جب جلا وطنی کا یہ عمل شروع ہوا تو ہزاروں سرخ ہندی راستے میں ہلاک ہو گئے۔ ہلاکت کی وجہ صرف یہ تھی کہ ان باشندوں کو دشوار گزار، خطرناک، ناہموار، غیر آباد راستوں کے ذریعے پیدل ہانک دیا گیا تھا، خطرناک جنگلات ہولناک راستوں سے گرتے پڑتے، ہزاروں معصوم لوگ عورتیں، بچے، بوڑھے بھوک پیاس کے ہاتھوں راستے میں مرکھپ گئے، میلوں تک یہ لوگ پیدل منظّم مگر جبری اجتماعی نقل مکانی کے لیے چلتے رہے، منزل دشوار راستہ کٹھن نہ ابتداء کی خبر نہ انتہا معلوم، بھوک، پیاس اور افلاس نے ہزاروں کو راستے ہی میں موت کی وادی میں پہنچا دیا۔ یورپی آباد کار انھیں ہمسائے کے طور پر کسی صورت قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ تہذیب انسانیت کے علمبردار اپنے سوا کسی کو انسان ماننے کے لیے آمادہ نہیں تھے۔ ہمسایہ تو وہی بن سکتا ہے جو ہم جنس ہو، صحبت ناجنس یورپی آبادکاروں کو گوارا نہ تھی، Hoxie کے مطابق یہ حکمت عملی طے کر لی گئی تھی کہ KILL THE INDIAN SPARE THE MAN اس حکمت عملی کی تفصیل پڑھیے:

The late I9th century eventually saw some moderation into a combination of cultural suppression and segregated assimilation, a policy sometimes known as "kill the Indian, spare the man." Indians were now assimilated as a marginalized underclass on peripheral reservations. [Page No.90]

اس دور میں بعض رحم دل لوگ بھی زندہ تھے جو سرخ ہندی وحشیوں کو انسان بنانا چاہتے تھے لیکن اسے نہایت مشکل کام سمجھتے تھے، ان کے خیال میں سرخ ہندی غیر تعلیم یافتہ، غیر متمدن، مرکزی قیادت سے مبرا وحشی نسل تھے جو اپنی بھوک مٹانے کے لیے کوئی بھی طریقہ آزما سکتے تھے۔ یہ کام بہت مشکل تھا کہ اس وحشیانہ نسل Savage Race کو ایک ایسے معاشرے میں تبدیل کر دیا جائے جو انسانیت پسند، عیسائی، تمدنی اور صنعتی اثرات کا حامل ہو، رحم دل لوگوں کی نظر میں سرخ ہندی کیا تھے اس کا اندازہ سرخ ہندیوں کے بارے میں ان کے رحم دلانہ خیالات سے بخوبی کیا جاسکتا ہے۔ یہ رحمدل لوگ جن میں Father Fremin Lasuen جیسے لوگ نمایاں تھے، سرخ ہندیوں کو زندگی کی ضمانت اس بنیاد پر دینا چاہتے تھے کہ انھیں عیسائی بنالیا جائے اور انھیں اپنی تہذیب وثقافت میں ضم کر لیا جائے اس کے سوا سرخ ہندیوں کی بقاء، زندگی اور حفاظت کا کوئی طریقہ نہیں تھا۔ مائیکل مین کے مطابق:

He wanted to save the Indians through conversion and assimilation. He knew this was difficult. Indians were "without

education, without government, religion, or respect for authority, and they shamelessly pursue without restraint whatever their brutal appetites suggest to them." How could he transform "a savage race... into a society that is human, Christian, civil and industrious"? "This can be accomplished only by denaturalizing them. It is easy to see what an arduous task this is, for it requires them to act against nature. But it is being done successfully by means of patience and by unrelenting effort." Indians were in a "state of nature," different from the Spanish gente de razon, people of reason. While in their state of nature, created by God, they were to be treated benignly as free men. Though savages, they could not be exploited, still less driven away or killed. [Page No.87]

عیسائیت کے مظالم سرخ ہندیوں پر:

المناک بات یہ تھی کہ عیسائیت قبول کرنے کے بعد بھی ان کی زندگی غم والم سے نشاط وطرب کی طرف لوٹنے سے قاصر تھی، جلاوطنی کا دکھ سہنے کے بعد طوعاً یا کرہاً یا بہ رضا و رغبت عیسائیت قبول کرنے کے باوجود ان کی زندگی کے شب و روز انسانوں کے شب و روز سے مختلف تھے، عیسائیت قبول کرتے ہی وہ دائمی قیدی بن جاتے تھے۔ انھیں جبری مشقت کے کاموں میں شریک ہونا پڑتا جس میں یہ جبر بھی شامل تھا کہ وہ لاطینی زبان میں طویل مناجات پڑھیں، جن کا ایک لفظ بھی وہ سمجھنے سے قاصر تھے، اگر وہ ان امور سے چھٹکارا پانے کا سوچتے اور وہ کام یا دعا سے فرار اختیار کرتے تو انھیں کوڑے مارے جاتے اور مجبور کیا جاتا کہ وہ لاطینی زبان میں مزید مناجات کا ورد کریں، صرف یہی نہیں ان جرائم کی سزا اور بھیانک تھی، کبھی زنجیروں میں جکڑے جاتے، کبھی ان کے ہونٹ گرم لوہے سے داغے جاتے، ان کے لیے فرار کے تمام راستے بند تھے کیونکہ فرار ہو کر کہاں جاتے، کوئی ان مفلوک، بے بس، درماندہ انسانوں کو پناہ دینے کے لیے آمادہ نہ ہوتا۔ نہایت خراب خوراک اور شدید محنت کے باعث ان کی صحت گرتی ہوئی دیوار تھی، ان کے جسم کے کھنڈرات بتاتے تھے کہ یہ عمارتیں کبھی عظیم الشان بھی رہی ہوں گی، صحت کے ان کھنڈرات پر وباؤں، بیماریوں کا زبردست حملہ جاری رہتا اور ان حملوں میں بچ جانے کا امکان برائے نام

ہوتا، لاکھوں سرخ ہندی اسی طرح مرنے پر مجبور کیے گئے۔ یہ موت رحم دلوں کی طرف سے عطا کردہ رحم دلانہ موت تھی، جو قاتلوں کے خیال میں شاید اس موت سے بہتر تھی جو سنگ دلانہ طریقے پر پہلے عطا ہوتی تھی۔

But once Indians were baptized, everything changed. They were now under the authority of the order, and the order became a prison. Long hours of forced work in the fields were followed by hours of forced prayers in Latin, of which they understood not a word. Indians girls were locked up at night. If Indians showed any independence, or refused to work or pray, they were shackled and whipped and forced to recite more Latin. If they ran away, the soldiers forcibly brought them back, shackled them, and whipped them more. Sometimes they would crop off an ear or brand a lip. The Indians had difficulty escaping, since independent Indian villages would not take them in. [Page No.88]

رحم دلی کے آغاز، ارتقاء اور اختتام کی کہانی مائیکل مین نے تین سطروں میں کفنا دی ہے۔ جبر ظلم کی یہ تاریخ اس بات کی شہادت ہے کہ عیسائیت کا زوال اس وجہ سے بھی ہوا کہ وہ نسلی امتیاز کے راستے پر رواں دواں ہوگئی، آج تک کلیسا کا اسقف اعظم افریقہ کا حبشی پادری منتخب نہیں ہوسکا، پوپ پال کی نجی سپاہ جو دنیا کی مختصر ترین فوج ہے اس کے سپاہی ہمیشہ سوئٹزرلینڈ کی گوری نسل سے لیے جاتے رہے، دو سال قبل پہلی مرتبہ سپاہ مختصر میں دو کالے سپاہیوں کو بھرتی کا پروانہ عطا کیا گیا۔

The Franciscans committed local ethnocide, unintentional but devastating. Half of California's Indians died during the mission period, almost all from diseases introduced there amid a population weakened by too much coerced work and too little food. [Page No.88]

سرخ ہندیوں کی عبرت ناک اموات:

۱۸۴۸ء میں کیلی فورنیا کو ملک میکسکو سے کاٹ کر ریاست ہائے متحدہ امریکہ کی ایک ریاست بنا دیا گیا جس کے نتیجے میں سرخ ہندیوں کے بالارادہ قتل میں حیرت انگیز اضافہ ہوا، اس قتل عام کی سب سے بڑی وجہ جبری امراض اور بھوک سے زوال پذیر قوت مزاحمت کے باعث بیماریاں تھیں، صرف دس فی صد سرخ ہندی براہ راست قتل کیے گئے جب کہ ساٹھ سے ستر فی صد مقامی آبادی کو بھوک، قحط، نسل کشی، عورتوں مردوں کی شادیوں پر

قدغن، کم شرح افزائش اور خطرناک بیماریوں کے ذریعے جو محض اتفاقی اور حادثاتی نہیں تھیں، قسطوں میں ہلاک کر دیا گیا۔ جبری غذائی قلت کا شکار یہ سرخ ہندی جو سالوں سے قوت مزاحمت کھو رہے تھے، ان بیماریوں کا خاص نشانہ تھے، اگر ان کے جسم تنومند ہوتے، انھیں پیٹ بھر کر مناسب خوراک وقت پر ملتی ان کی صحت قابل رشک ہوتی تو یقیناً یہ بیماریوں کا مقابلہ کر سکتے تھے، لیکن ان کو لاغر، کمزور، ناتواں شاید اسی لیے رکھا گیا تھا تا کہ یہ بیماریوں کے پھیلائے جال میں آسانی سے لقمہ اجل بن سکیں اور ان کی موت کا ذمہ دار گردش سماں کو ٹھہرایا جائے اور قاتل ہر الزام سے بری ہو جائیں۔ بیماریوں، وبائی امراض سے بچاؤ کے لیے حکمراں طبقات اور یورپی آبادکاروں نے کوئی اقدام نہیں کیا، سرخ ہندیوں کو مرنے کے لیے چھوڑ دیا گیا، یہ مہذبانہ قتل عام تھا، پہلے عیسائی بنایا گیا پھر بھوکا مارا گیا، پھر بیماریوں کے علاج کے لیے سہولت مہیا نہ کی گئی۔ اس کے برعکس حبشی غلاموں کو بیماریوں سے تحفظ کے لیے سفید فام یورپی آبادکاروں نے بھرپور رہنمائی کی، انھیں چیچک سے بچایا گیا کیونکہ وہ قیمتی اور کارآمد تھے، اس کے برعکس سرخ ہندیوں کو مرنے دیا گیا بلکہ حبشیوں کے اتارے ہوئے کمبل سرخ ہندیوں کو دیئے گئے تا کہ وہ چیچک سے مر جائیں۔ مائیکل مین کے الفاظ میں اس المناک باب کو پڑھیے:

In California the interlinked categories of disease, malnutrition, and starvation killed somewhere around 60-80 percent of natives, direct killing about 10 percent, with most of the remainder attributable to reproductive failure. Deliberate killings were usually in cold blood or in situations of such an imbalance of force that the appellation murder is applicable. But none of these categories are entirely separable from each other. Malnutrition, starvation, and low fertility often resulted predictably from settler policy, while diseases were not entirely accidental. Diseases spread most rapidly where malnourished natives were herded closely together, as in California missions and the many U.S. Indian reservations located on marginal lands. The settlers were not ignorant of the disease mechanisms involved, yet they rarely took steps against epidemics to which they themselves were immune. Nor were they unhappy with the results. Nash (1992: 300-1) compares the white responses to the spread of disease among Indians and black slaves. Since slaves were valuable, the white community tried to

combat epidemics among them. Slaves were inoculated against smallpox. Indians were not. Indeed, some settlers fomented disease. Reports of donations of disease-ridden blankets to Indians have become notorious, though rare. [Page No.89]

کیلی فورنیا: سرخ ہندیوں کا قبرستان

کیلی فورنیا میں سرخ ہندیوں پر گزرنے والی شب ستم، آنسوؤں اور لہو سے تحریر کرنے کے قابل ہے۔ ان انسانوں کو براہِ راست قتل کرنے کے بجائے قسطوں میں موت کشید کرنے کے لیے کیسے کیسے طریقے اور تجربے کیے گئے اس کا تصور کرنے سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ سرخ ہندیوں کی عورتوں کو مردوں سے الگ کر دیا گیا تا کہ نسل میں اضافہ نہ ہو اور سرخ ہندی مرد لواطت کے ذریعے جسمانی عوارض میں مبتلا ہو جائیں۔ عورتوں کو طوائف بننے پر مجبور کیا گیا اور پھر جن طوائفوں کو خطرناک جنسی بیماریاں منتقل ہوئیں انھیں جنسی خدمات انجام دینے کے لیے سرخ ہندی مردوں کے سپرد کر دیا گیا تا کہ یہ بیماریاں ان میں منتقل ہو جائیں اور وہ تڑپ تڑپ کر جان دے دیں۔ سرخ ہندیوں کو شراب کا رسیا بنایا گیا تا کہ ان کی اخلاقی اقدار زوال پذیر ہو جائیں اور ان کی ہلاکتوں میں مزید اضافہ ہو۔ یہ شراب مشنریوں اور حکومتی پابندیوں کے باوجود محنت کے عوض مہیا کی جاتی تھی۔ جنسی بیماریاں، کمزور صحت اور تولیدی صلاحیتوں کے خاتمے کا باعث بن گئیں۔ ۱۸۴۸ء سے ۱۸۶۰ء تک کیلی فورنیا کی سرخ ہندی آبادی پندرہ لاکھ سے کم ہو کر صرف اکتیس ہزار رہ گئی جب کہ سفید فاموں کی آبادی ۲۵ ہزار سے بڑھ کر ساڑھے تین لاکھ ہو گئی۔ ۱۸۶۰ء میں سرخ ہندیوں کی مردم شماری کے مطابق ان کی تعداد میں کمی کا اہم عامل مردوں اور عورتوں کی بالجبر علیحدگی تھی۔ سرخ ہندی عورتیں اپنے دشمنوں کے بچوں کو جنم دیتی تھیں لیکن انھیں اس بات کی اجازت نہ تھی کہ وہ اپنے بچوں کو جنم دے سکیں اور اپنی نسل کو زمین و آسمان دیکھنے کے لیے دنیا میں آنے دیں نہ اپنے مردوں کے لیے راحت کا سامان بن سکیں، سرخ ہندی جنسی راحت کے لفظ سے ناآشنا ہو گئے تھے۔ ان کی زندگی بدترین زندگی تھی، انھیں محض اپنی زندگی کی بقاء کے لیے محنت کی اجازت تھی تا کہ وہ زندگی اور موت کے مابین معلق رہیں اور آقاؤں کی غلامی کا شرف حاصل کریں۔

جمہوریت اور بہیمیت کا فطری تعلق:

سرحدی علاقوں سے منتخب ہونے والے ریاستی سطح کے افسران انتہا پسندی میں سب سے آگے تھے۔ وہ زمینوں پر ناجائز قبضے اور اس پر مزاحمت کے عمل سے بچنے کے لیے زیادہ سخت حکمت عملی اختیار کرتے تھے۔ ۱۸۲۰ء اور ابتدائی ۱۸۳۰ء کے عرصے میں شمالی قانون ساز ادارے نے کامیابی سے بے دخلی کا عمل شروع کروایا اس بات

کی پرواہ کیے بغیر کہ اس سفر کے اختتام پر سرخ ہندیوں پر کیا گزرے گی۔ سرخ ہندیوں کو بے دخل کیے جانے کے بعد ان سے خالی ہو جانے والی زمینوں کی امداد اور محصولات سے حاصل ہونے والی رقوم پر کئی مقامی سیاستدانوں نے خوشی کا اظہار کیا۔ یہ جمہوری رویہ تھا، جمہوریت اور بہیمیت، وحشت و درندگی لازم وملزوم ہیں انھیں اس بات پر یقین تھا کہ سرخ ہندیوں کی بے دخلی کے بعد ان علاقوں سے وہ دوبارہ منتخب ہو جائیں گے کیوں کہ سرخ ہندیوں کے حق میں بیانات دینے والے انتخابی عمل میں کامیابی کا کوئی امکان نہیں پاتے تھے لہٰذا جمہوری عمل کا تقاضہ یہی تھا کہ اپنے حلقۂ انتخاب کی خواہش، تمنا اور آرزوؤں کی صورت گری کی جائے یہی جمہوریت کا سیاہ چہرہ ہے جو لوگوں کو مفاد کا اسیر اور حرص وحسد کا غلام بنا دیتی ہے۔

سرخ ہندیوں کو مارنے کی آزادی:

کیلی فورنیا میں صورت حال واضح تھی۔ ۱۸۵۰ء میں جب جمہوریت اپنی انتہائی جدید شکل میں موجود تھی کیلی فورنیا کے آئین میں سفید فام مردوں کے حق رائے دہی کو یقینی بنایا گیا۔ انھیں اس بات کا بھی اختیار دیا گیا کہ سرخ ہندی اپنے مخصوص علاقوں سے نکل کر کہیں پھرتے ہوئے نظر آئیں تو انھیں طاقت سے بھگا دیا جائے یا مزدور بنا لیا جائے، اس میں بچوں کی بھی تخصیص نہیں تھی۔ قانون سازی کے ذریعے آبادکاروں کی ملیشیا کو پکڑ دھکڑ کی مکمل خود مختاری دے دی گئی اور اس کے لیے ۱۸۵۰ء اور ۱۸۵۱ء میں گیارہ لاکھ ڈالر ادا کیے گئے۔ سرخ ہندیوں کے لیے مخصوص کیے گئے علاقے انتہائی چھوٹے اور بالکل بے آباد زمینوں پر تھے ان میں اتنی گنجائش نہیں تھی کہ مزید بے دخل کیے جانے والے سرخ ہندی سما سکیں۔ بے دخل کیے جانے کا مطلب ان کی موت تھا اس پر قانون سازوں نے کبھی بھی تنقید نہیں کی۔

سرخ ہندیوں کے خلاف، ان کے خاتمے تک جنگ کا اعلان:

گورنر برنٹ Burnett کو اس وقت مشکل صورتحال کا سامنا کرنا پڑا جب اس نے بعض تحفظات کی وجہ سے سرخ ہندیوں کے ساتھ مصالحت سے انکار کر دیا اس کے بعد سرخ ہندیوں کے لیے خطرات بڑھنے لگے اور یہ تناؤ نسل کشی تک پہنچ گیا۔ سرخ ہندی زمینوں پر سفید فاموں کا قبضہ اور اس کے جواب میں سرخ ہندیوں کی مزاحمت کی وجہ سے وہ سرخ ہندی جواب تک منتشر تھے جنگی سربراہوں کے زیر اثر منظّم ہونے لگے تھے۔

[Phillips, G. 1975. Chiefs and Challengers: Indian (Phillip 1975- Chp3-5) Resistance and Cooperation in Southern California. Berkeley & Los Angeles: University of California Press.]

Burnett نے قتل عام کا اعلان کیا اور کہا Not to conciliate but to escalate to

genocide برنٹ نے اعلان کر دیا کہ:

A war of extermination will continue to be waged between the two races until the indian becomes extinct.

''دو مختلف نسلوں کے درمیان جنگ سرخ ہندیوں کے مکمل خاتمے تک جاری رہے گی اس کے پیش رو Mc Dougall نے اعلان کیا کہ کئی قبائل کا خاتمہ لازمی ضرورت ہے۔ (Hurtado 1988:134-6) The war must of necessity be one of extermination to many of the tribes. [Hurtado, A. 1988. Indian Survival on the California Frontier. New Haven, Conn.: Yale University Press.]

ہٹلر اور کیلی فورنیا کے گورنروں کا تقابل:

تاریخ بتاتی ہے کہ ہٹلر نے بھی کبھی ان دو انتہا پسند گورنروں کی طرح ایسے بے باکانہ بیانات نہیں دیے وہ جانتا تھا کہ جرمن اس کو مسترد کر دیں گے جبکہ ان گورنروں کو یقین تھا کہ سفید فام آبادی ان وحشیانہ بہیمانہ بیانات کو بخوشی قبول کرے گی۔ لہٰذا وہ سرخ ہندیوں کے خلاف زہرافشانی کرتے رہے، جبکہ ہٹلر نے ایسا نہیں کیا۔ ان کے بعد آنے والا گورنر Birglar ان سے مختلف نہیں تھا فوج کے نام ایک خط میں اس نے سرخ ہندیوں کے بارے میں لکھا:

the acts of these Savages are sometimes signalized by a ferocity worthy of. . . cannibals . . . They seem to cherish an instinctive hatred toward the white race, and this is a principle of their nature, which neither time nor vicissitude can impair. This principle of hatred is hereditary . . . The character and conduct of these Indians . . . [means] . . .that Whites and Indians cannot live in close proximity in peace.

''ان وحشیوں کے افعال آدم خوروں کی طرح خونخوار ہوتے ہیں وہ سفید فاموں سے اندرونی نفرت پر خوشی کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ ان کی فطرت کا مظہر ہے جسے نہ تو وقت نہ کوئی اور شے تبدیل کر سکتی ہے۔ نفرت کا یہ اصول وراثتی ہے، سرخ ہندیوں کا یہ رویہ اور کردار اس بات مظہر ہے کہ سفید فام اور سرخ ہندی امن کے ساتھ ایک جگہ نہیں رہ سکتے''۔

سرخ ہندیوں کے خلاف نفرت کی تاریخ:

Birglar نے اپنے خط کا اختتام فوج سے اس مطالبے پر کیا کہ وہ چاروں علاقوں [countries]

سے تمام سرخ ہندیوں کو نکال باہر کرے۔ کہاں؟ اس بات کا جواب اس نے نہیں دیا اس کام کے لیے اس نے کیلی فورنیا کی ملیشیا کی خدمات پیش کیں۔ (Heizer; 1993:189-91) [Heizer, R. 1993. The Destruction of California Indians. A Collection of Documents. Lincoln: University of Nebraska]

تمام سرحدی ریاستوں کے سیاست دان، آبادکار اور اخبارات اسی قسم کے متشددانہ جذبات رکھتے تھے اور اسی طرز عمل کے زبردست حامی تھے۔ اس قسم کے جذبات کا اظہار Minnesota کے گورنر Ramsey نے کیا اس نے اعلان کیا:

سرخ ہندی: ''شہر بدر کردو یا ختم کردو'':

''سی اُو Sioux سرخ ہندیوں کو لازمی طور پر ختم کر دینا چاہیے یا ان کو ہمیشہ کے لیے ریاست کی سرحد سے نکال باہر کیا جائے۔'' اس زمانے کا مقبول نعرہ تھا "Exterminate or Banish" ''ختم کردو یا شہر بدر کردو'' تھا۔ جنرل سبلی جو کیلی فورنیا میں دبیز کھالوں کا تاجر تھا سرخ ہندیوں اور وفاقی حکومت دونوں کو فریب دینے کے لیے مشہور تھا اس نے سانتی سوانی قبیلے کو ختم کرنے کے لیے جنگ شروع کی اور اس میں کامیاب ہوا اس نے 770 جلاوطن کیے جانے والے سانتی قبیلے کے افراد کو سینٹ پال کی دخانی کشتی کے ذریعے بے دخل کیا سفید فام دریا کے کنارے کھڑے ان پر پتھر برساتے اور ان کے ساتھ بدسلوکی کرتے۔ (Brown 1970;50-65) [Brown, D. 1970. Bury My Heart at Wounded Knee: An Indian History of the American West. London: Barrie & Jenkins.]

اخبارات کی جانب سے قتل عام کی حمایت:

ریاست کولوراڈو کا گورنر بھی اسی قسم کے نفرت انگیز، متشددانہ، غیر انسانی جذبات کا حامل تھا اس کی ریاست کے تمام اخبارات جو آزادئ صحافت کے علمبردار تھے اس کے نسلی اور سفلی جذبات کے طرف دار تھے اور اس کی مدح میں رطب اللسان رہتے تھے۔ Denver کے اخبارات نے اس کی تعریف کی۔ ان اخبارات نے ۱۸۶۳ء میں ظلم و جبر کی ستائیس کہانیوں میں سے ۱۰ واقعات جو سرخ ہندیوں کے قتل سے متعلق تھے، ان کی کھلم کھلا حمایت کی۔ یہ صورت حال بتاتی ہے کہ اس زمانے کے اخبارات، سیاست دان، عدالتیں، حکومتیں، فوج، مسیحی ادارے، کلیسا اور سواد اعظم کی اخلاقی، ذہنی اور نفسی صورت حال کس قدر بدترین تھی۔ (Churchill 1997; 172) [Churchill, Ward. 1997. A Little Matter of Genocide: Holocaust and Denial in the Americas, 1492 to the Present. San Francisco: City Light Books.]

چار سفید فاموں کے قتل کا بدلہ: ۱۴۴ لوگوں سے!

۱۸۷۱ء میں مویشی اور سفید گھوڑے چوری کرنے کی دو سرخ ہندی چھاپہ مار کارروائیوں کے جواب میں جس میں چار سفید فام باشندے ہلاک ہوئے Tuscon کے شہریوں کی سربراہی میں ایک ٹیم نے سرخ ہندیوں کے ایک قبیلے اپاچی کے گاؤں پر حملہ کر دیا جس کا اس چھاپہ مار کارروائی سے کوئی تعلق نہیں تھا۔ ۱۴۴ لوگوں کو ہلاک کیا گیا جن میں مرد صرف آٹھ تھے باقی ۱۳۶ عورتیں تھیں، اکثر عورتوں کی پہلے عصمت دری کی گئی۔ مقامی اخبار Denver News نے قاتلوں کو مبارکباد دی اور اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ مرنے والوں کی تعداد دگنی ہو سکتی تھی۔

عدالتوں میں بے انصافی کی کہانی:

مشرقی علاقے میں غضب کی اس صورت حال کو ''خالصتاً قتل'' قرار دیا گیا اور باغیوں کے سربراہ کو عدالت میں پیش کرنے پر دباؤ ڈالا گیا۔ عدالت میں اس کے خلاف کافی شہادتیں پیش کر دی گئیں لیکن عدالت نے ان افراد کو بری کرنے میں صرف انیس منٹ کا وقت لگایا۔ یہ اس زمانے کا انصاف تھا (Brown 1970: 202-5;cocker; 1998:220 -1)

[Brown, D. 1970. Bury My Heart at Wounded Knee: An Indian History of the American West. London: Barrie & Jenkins.]

[Cocker, M. 1998. Rivers of Blood, Rivers of Gold. London: Jonathan Cape.]

عدالتیں: سرخ ہندی کی شہادت قبول نہیں

بہت ہی کم سفید فام شہری قاتلوں کے طور پر عدالت میں مجرم پائے گئے جبکہ عدالت اس مقابلے میں مستقل مزاجی سے اس روش پر قائم رہی کہ وہ سفید فاموں کے خلاف کسی سرخ ہندی کی شہادت قبول کرنے پر تیار نہ تھی، یہ اس زمانے کی مہذب عدالتیں تھیں۔ (for california, see Heizer, 1993:II-14)

[Heizer, R. 1993. The Destruction of California Indians. A Collection of Documents. Lincoln: University of Nebraska Press.]

سرخ ہندیوں کے خلاف جیفرسن اور واشنگٹن کے احکامات:

اگر وفاقی حکومت اور فوج سرخ ہندیوں کی حفاظت کا فریضہ انجام دیتی تو مشنری، آباد کار اور اخبارات اس پر خوب شور مچاتے تھے۔ سفید فاموں کے درمیان تمام اختلافات اس وقت ختم ہو جاتے جب کوئی

سرخ ہندی مزاحمت کرتا یا کسی سفید فام مرد یا عورت کو قتل کر دیتا۔ Mocdoc قبیلے کے سرخ ہندیوں نے اوریگان اور کیلی فورنیا کی سرحد پر جنرل کیبی کو پکڑ کر قتل کر دیا یہ بات یورپی آبادکاروں کے قومی غم و غصے کا سبب بن گئی اور پوری آبادی میں انتقام کی آگ پھیل گئی۔ جنرل شرمان نے نہ صرف قاتلوں کے گروہ کے قتل کا مطالبہ کیا بلکہ بکھرے ہوئے تمام قبیلوں کے خاتمے کا مطالبہ کیا۔ امریکی فوجیوں اور سوانی لاکوٹا قبیلے کے درمیان ایک جھڑپ میں ۱۸۰ امریکی فوجیوں کی ہلاکت پر جنرل شرمان کو اپنے اس دعوے پر عمل کا موقع مل گیا۔ اس کا کہنا تھا کہ سوانی قبیلے کے مردوں، عورتوں اور بچوں کے خاتمے تک ہمیں نہایت سنجیدگی اور مستقل مزاجی سے ان کے خلاف لڑنا ہوگا۔ ایک اور شخص جارج آرسٹرانگ کی موت پر اس قسم کے قومی غم و غصے کا اظہار کیا گیا۔ اس کے نتیجے میں نہ ختم ہونے والی جنگ شروع ہوگئی جو ۱۸۸۱ء میں تمام سوانی زمینوں پر قبضے اور ان کے مکمل ہتھیار ڈالنے پر ختم ہوئی سرخ ہندیوں کی مزاحمت کو روشن خیال صدور کے دور میں سختی سے کچلنے کے اسباب مہیا کیے گئے اور بے دخلی سے انکار پر نسل کشی کی دھمکی دی گئی۔ بیسویں صدی کے مشہور ترین صدور ''تامش جیفرسن'' سے ''جارج واشنگٹن'' تک اس معاملے میں روشن خیالی کو بالکل بھول گئے۔

جارج واشنگٹن: سرخ ہندی بھیڑیے ہیں:

جارج واشنگٹن نے اپنے جنرل کو ہدیت کی تھی کہ وہ ارُوکوا قبائل Iroquois پر حملہ کر دے اور "Lay waist all settlement-that the country may not be over run but destroyed and not to listen any over tune of peace before the total ruin of their settlement is effected" ''ان کی آبادیوں کو تباہ و برباد کر دیں ان کی تمام باقیات کے خاتمے تک امن کا کوئی نغمہ سننے کی ضرورت نہیں ہے''۔ اس نے سرخ ہندیوں کو بھیڑیوں سے تشبیہہ دی کہ دونوں وحشی شکاری ہیں صرف شکلوں کا فرق ہے۔ Indians are wolves both being beasts of prey though they different in shape. اس نے اعلان کیا کہ تمام سرخ ہندیوں کو مسی سپی کے مغرب کی طرف دھکیل دیا جائے اور مزاحمت کرنے والوں کو طاقت سے کچل دیا جائے۔ جیفرسن نے بھی سرخ ہندیوں کے ساتھ جنگ میں اپنا لہجہ تبدیل کر لیا۔

جیفرسن: سرخ ہندیوں کی جڑیں کاٹ دو

the root-and-branch destruction of hostile tribes or driving them beyond the Mississippi: "nothing is more desirable than total suppression of their savage insolence and cruelties"; "This then is the season for

driving them off"; their "ferocious barbarities justified extermination"; "if ever we are constrained to lift the hatchet against any tribe, we shall never lay it down till that tribe is exterminated, or driven beyond the Mississippi . . .. In war, they will kill some of us; we shall destroy all of them."

جیفرسن مسلسل حکم دیتا کہ دشمن قبیلوں کی جڑیں کاٹ دو یا پھر انھیں مسس پی کے پار دھکیل دو اس کا کہنا تھا کہ ان وحشی قبیلوں کے مکمل خاتمے کے سوا کوئی بات اہم نہیں ہے یہی ان کے نکال باہر کیے جانے کا وقت ہے ان کی وحشی حرکتیں قتل عام کا جواز ہیں۔ اگر ہم ان پر ہتھیار اٹھانے پر مجبور ہوئے تو ہم اسے ان کے مکمل خاتمے تک نیچے نہیں رکھ سکیں گے۔ جنگ کی صورت میں وہ ہمارے چند افراد کو قتل کریں گے ہم ان کے تمام افراد کو قتل کر دیں گے۔۱۸۱۳ء میں اس کا خیال تھا کہ کریک قبیلہ شکست کے بعد معافی کی یہ شرط قبول کرلے گا کہ وہ اپنی تمام آبادی کو مسس پی سے باہر لے جائیں ورنہ ہم انھیں مجبور کر دیں گے۔ نہ تو جیفرسن اور نہ ہی واشنگٹن نے برطانیہ جیسے تہذیب یافتہ دشمن کے خلاف یہ زبان استعمال کی۔ جیفرسن نے سفید فاموں کے زمینوں پر قبضے کی مکمل پشت پناہی کی اس کے دور صدارت میں دو لاکھ مربع میل سرخ ہندی زمینوں پر اس کے کارندوں نے قبضہ کیا۔

جیفرسن کے خوں خوار احکامات: تحلیل، بے دخلی یا قتل

اس قبضے کے لیے جیفرسن کا فرمودہ تھا کہ وہ سرخ ہندیوں کو قرضے میں جکڑتے اور پھر اس کے بدلے وہ انھیں اپنی زیر ملکیت زمین بیچنے پر راضی کر لیتے، اس طرح سرخ ہندی اپنی آبائی شکار کی زمین سے محروم ہوتے گئے۔ جیفرسن نے اپنے حکام کو حکم دے رکھا تھا:

trick the Indians into debt, forcing them to sell their lands. With inadequate land left for hunting, they would have to learn agriculture and then assimilate. If they resisted this, they must be crushed; if they merely languished and starved, that proved the inevitability of their end.

اگر وہ اس پر مزاحمت کرتے تو ان کو کچل دیا جاتا اور اگر وہ فاقہ کشی کرتے تو ان کا خاتمہ لازمی تھا۔
جیفرسن کی ترجیح Assimiation تھا اس کے بعد وہ بے دخلی Deportation کا قائل تھا اگر یہ بھی ناکام ہو جائے اور مزاحمت ہو تو وہ قتل عام کا فیصلہ کرتا جیفرسن کا کہنا تھا کہ وہ ہندی نسل کی سفید فام نسل کے ساتھ برابری کا قائل ہے مگر اعلیٰ تہذیب ہمیشہ کمتر تہذیب پر غالب آتی ہے۔

he believed in the inherent racial equality of Indians (unlike blacks) with

whites (Wallace, 1999: 78), but higher must triumph over lower civilizations.

اگرچہ امریکیوں کی اکثریت اس بات سے واقف ہے کہ یہ دونوں صدور واشنگٹن اور جیفرسن غلام رکھتے تھے۔مگر ہندیوں کے لیے ان کے غیض وغضب کی تاریخ سے بہت کم لوگ واقف ہیں۔

سرخ ہندیوں کے خلاف جیکسن کا اعلان جنگ:

صدر امریکہ اینڈریو جیکسن کے دور صدارت میں صرف تمام سفید فام مردوں کو ووٹ کا حق دیا گیا۔ اگرچہ وہ ہندیوں کا حمایتی مشہور تھا اصلاً جیکسن محض ایک عقلمند سیاست دان تھا جو کہ شمالی ریاستوں کے دباؤ پر بے دخلی کی قانون سازی پر راضی ہو گیا اور سفید فام اور ناجائز قابضین کے خلاف ہندیوں کے دفاع کے حق میں تھا مگر اس کا خیال تھا کہ بے دخلی سرخ ہندیوں کی حفاظت کا واحد حل ہے۔(Prucha 1994) [Prucha, F. 1994. "Andrew Jackson's Indian Policy: A Reassessment," in Hurtado & Iverson (eds.), Major Problems in American Indian History.] یہ دراصل ایک نقاب تھا، سرخ ہندیوں نے بے دخلی پر احتجاج کیا تو وہ غضب میں آ گیا۔صرف ایک سفید فام عورت کو کریک قبیلے کے افراد نے یرغمال بنالیا تو اس نے انتہائی اشتعال اور غیض وغضب کی حالت میں اعلان کیا کہ ''میں ان کے قصبوں میں گھس کر یرغمال اور اغوا کرنے والے دونوں کو برآمد کرلوں گا اور مجھے اس بات میں کوئی جھجک نہیں ہے کہ میں ان کے دیہاتوں کو برباد کردوں ان کے گھروں کو آگ لگادوں ان کے جنگجوؤں کو ختم کردوں، ان کی بیویوں اور بچوں پر قبضہ کرلوں، جب تک کہ یہ ہتھیار نہ ڈال دیں''۔

"I shall penetrate the Creek Towns, until the Captive, with her Captors are delivered up, and think myself justifiable in laying waste their villages, burning their houses, killing their warriors and leading into captivity their wives and children, untill I do obtain a surrender of the Captive, and the Captors." Prucha (p. 212)

جیکسن کے زہریلے ارشادات: سرخ ہندی بھیڑیے

ایک اور موقع پر جیکسن نے سرخ ہندیوں کو ''دھوکہ باز'' اور اذیت پسند'' کا طعنہ دیا اس نے اعلان کیا کہ ''ہمارے مقتولین کا سر حفاظت سے رکھا ہے۔وہ یہ کہتا تھا کہ ہندیوں سے ڈرنا ان سے محبت کرنے سے بہتر ہے۔اس نے اپنے سپاہیوں کو حکم دیا کہ وہ سرخ ہندی بچوں اور عورتوں کو بھی قتل کردیں۔ایسا نہ کرنا بھیڑیے کو

جھولے میں کھلانے کے مترادف ہوگا یہ جانے بغیر کہ وہ کب بھیڑیا بن کر کچھار میں جا پہنچے۔

"the blood of our murdered countrymen must be revenged. The banditt ought to be swept from the face of the earth." He boasted, "I have on all occasions preserved the scalps of my killed." In principle he believed that "fear is better than love with an Indian." He urged his soldiers to kill women and children. Not to do so would be like pursuing "a wolf in the hammocks without knowing first where her den and whelps were."

اس کے ان بیانات نے اس کے لیے صدارت کی راہ ہموار کی۔ اس نے اپنے دورِ صدارت میں ہندیوں سے معاہدے کو توڑ ڈالا اور سرخ ہندیوں کی جبری بے دخلی کا عمل شروع کر دیا۔ اس کا دعویٰ تھا کہ اس کا ۱۸۳۰ء کا Removal Act رحم دلانہ تھا۔ جبکہ اس کے نتیجے میں مشہور ٹرائل آف ٹیرز (Trial of Tears) میں کریک قبیلے کے دس ہزار، چیروکی قبیلے کے چار ہزار اور چاکٹا قبیلے کے چار ہزار باشندے ہلاک کیے گئے۔

سرخ ہندیوں کے خلاف لنکن کی مہم جوئی:

سرخ ہندیوں کے معاملے میں لنکن کی بہت زیادہ شمولیت نہیں رہی۔ نوجوان سیاستدان کی حیثیت سے اس نے ہندیوں کے مخالف جنگجو تاثر قائم کرنے کے لیے Black Hawk جنگ میں اپنا عسکری تجربہ استعمال کیا اس نے zencheryTaylor کی وحشیوں کے عسکری استحصال اور winfield scot کے چیروکی قبیلے کی بے دخلی کے اقدامات کی تعریف کی۔ اس کے دور میں ہندی ایک جزوی مسئلہ تھے صرف ایک دفعہ اسے سرخ ہندیوں کے خلاف ہولناک بڑا فیصلہ کرنے کی ضرورت پیش آئی جب اس نے Minnesota میں عسکری حملے اور ہندی زمینوں پر قبضے کا حکم جاری کیا اس فیصلے کی وجہ سے ۱۸۶۲ء میں سوانی قبیلہ بغاوت پر مجبور ہوا جس کو فوج نے کچل دیا اور ۳۰۹ سوانی افراد کو گرفتار کر لیا۔ لنکن کو ان افراد کی پھانسی کا فیصلہ کرنا تھا۔ انسانیت پسندوں اور قتل عام کے حمایتیوں کی طرف سے دلائل جاری تھے۔ مقامی افراد اور گورنر Ramsey تمام افراد کے قتل کے حامی تھے تاہم اس نے ۳۹ افراد کی پھانسی کا فیصلہ کیا جو کہ امریکی عدالت کی تاریخ کا پہلا واقعہ ہے جب بیک وقت کثیر تعداد میں افراد کی پھانسی کا اعلان کیا گیا۔ جبکہ سزا پانے والوں کے خلاف کافی وشافی ثبوت موجود نہیں تھے۔ لنکن کے اس فیصلے سے کوئی بھی مطمئن نہ تھا مگر وہ خوش تھا کہ وہ ایک پیچیدہ صورتحال سے نکل آیا ہے۔ گرفتار شدگان کی اکثریت جیل کی اذیتوں کی وجہ سے ہلاک ہوگئی۔ لنکن کو یقین تھا کہ سرخ ہندی اعلیٰ نسل کے مقابلے میں جلد ہی ختم ہو جائیں گے۔ وہ سرخ ہندیوں سے نفرت کرتا تھا اس نفرت کا اظہار لنکن نے ۱۸۶۳ء میں وائٹ ہاؤس میں ایک

قبائلی وفد سے گفتگو کرتے ہوئے کیا۔

''پیلے چہرے والے لوگ لاتعداد اور خوشحال ہیں وہ زمین پر کاشت کاری کرتے ہیں۔ اور اپنی روٹی پیدا کر کے کھاتے ہیں اور وہ شکار کے کھیل کے بجائے زمین کی پیداوار پر انحصار کرتے ہیں۔ وہ سرخ ہندی نسل کے برخلاف ایک ایسی نسل سے تعلق رکھتے ہیں جو ایک دوسرے کو قتل کرنا اور ایک دوسرے سے لڑنا پسند نہیں کرتی''۔

the pale-faced people are numerous and prosperous because they cultivate the earth, produce bread and depend upon the products of the earth rather than wild game for a subsistence. This is the chief reason of the difference; but there is another . . . we are not, as a race, so much disposed to fight and kill one another as our red brethren. (Nichols, 1978: 187)

لنکن کے ان تعصّبانہ خیال کے چند روز بعد ہی سفید فام مہذب انسانوں کے درمیان خانہ جنگی شروع ہوگئی لنکن کے الفاظ تاریخ نے مسترد کر دیئے تھے۔ مہذب سفید فام سرخ ہندیوں کے ساتھ ساتھ اب ایک دوسرے کو بھی قتل کر رہے تھے۔ وحشی کون تھے، تاریخ اس حقیقت سے نقاب الٹ رہی تھی۔ وحشت کا سفر یہیں ختم نہیں ہوا یہ سفر جاری تھا جاری ہے اور آئندہ بھی جاری رہے گا۔ جب تک کہ تمام دنیا پر اس کا تسلط قائم نہ ہو جائے۔

روز ویلٹ کے خیال میں مردہ ہندی بہترین آدمی ہے:

انیسویں صدی کے اختتام پر نسل کشی کا عمل ختم ہو رہا تھا امریکہ کے پانچویں عظیم جمہوریت پسند صدر تھیوڈور روز ویلٹ کو اس میں حصہ ڈالنے کی قطعاً ضرورت نہیں تھی اس نے قتل عام کے بارے میں کہا کہ اس کے سوا چارہ کار نہ تھا۔ ''It was ultimately beneficial as it was inevitable'' اس نے مزید کہا ''تمام جنگوں میں سب سے عظیم جنگ وہ ہے جو وحشیوں کے خلاف ہے میرے خیال میں بہترین سرخ ہندی وہ ہیں جو مر چکے ہیں اور میرا خیال ہے کہ دس میں سے نو ہلاک ہو چکے ہیں۔ اور دسویں کے بارے میں مجھے کوئی جستجو نہیں ہے۔

that the noblest of all wars was one of extermination against savages. "I don't go so far as to think that the only good Indians are dead Indians, but I believe nine out of ten are, and I shouldn't like to inquire too closely into the case of the tenth."

[Sheehan, B. 1973. Seeds of Extinction: Jeffersonian Philanthropy and the American Indian. Chapel Hill: University of North Carolina Press.] [Stannard, D. 1992. American Holocaust: The Conquest of the New World. New York: Oxford University Press.] [Wallace, A. 1999. Jefferson and the Indians: The Tragic Fate of the First Americans. Cambridge, Mass.: Belknap Press.] [Cocker, M. 1998. Rivers of Blood, Rivers of Gold. London: Jonathan Cape.]

Sheehan 1973: 206, 29, 244, Stannard (1992, 19-22, 245-6), Wallace (1997:65,235-8 and Cockor (1998: 206)

امریکی صدر کے اعلانات کا جمہوری پس منظر:

وہ جمہوریت پسند صدور جو اپنے حلقہ انتخاب کی ضروریات سے آشنا تھے ان کے اندر شاہی نسل پسندی زیادہ نظر آتی ہے۔ تاکہ اپنے حلقۂ انتخاب کی زیادہ سے زیادہ توجہ حاصل کرسکیں، اپنے حلقہ انتخاب میں مقبولیت کا جمہوریت میں صرف ایک ہی طریقہ اور ایک ہی راستہ ہے کہ رائے دہندگان کو ہرگز ناراض نہ کرو، ان کی خواہشات اور مطالبات کو پورا کرنے کے لیے اپنی جان لڑا دو یہ جمہوری عمل کا بنیادی نقص ہے اس نقص کی تلافی صرف انسانیت کے دعوؤں کے ذریعے ہی ممکن ہے عملاً کچھ نہیں ہوسکتا، لہٰذا جمہوری عمل میں شریک ان صدور نے جمہوریت کے تحفظ کے لیے جمہوری طریقوں کے عین مطابق ایسی حکمت عملیاں مرتّب کیں جو اس عبرت ناک جبر سے بھی آگے بڑھ گئیں جو نسل کشی کے لیے اختیار کی گئیں تھیں۔ زمینوں پر قبضہ کرنے کا عمل اور سرخ ہندی مزاحمت، ان آبادکاروں کے بہیمانہ جذبات کا جواز بنا۔

مغربی فکر و فلسفے، سرمایہ دارانہ نظام، سرمایہ دارانہ شخصیت، مذہب دشمن اقدار، تصور نفس کے خود ساختہ نظریات، الوہیت انسانی کے دعوؤں اور آخرت کے انکار کے باعث جس خلق جدید کی تعمیر ستر ہویں صدی کے بعد ہوئی جس کے بارے میں فوکو نے کہا تھا کہ انسان تو اٹھارہویں صدی میں پیدا ہوا ہے اس انسان کے کردار، اخلاق، تہذیب، شرافت، اصول، روایت اور برتاؤ کی پوری تاریخ پانچ امریکی صدور واشنگٹن، لنکن، جیفرسن، روز ویلٹ اور جیکسن کے بیانات میں دیکھی جاسکتی ہے۔

مائیکل مین نے ان پانچ امریکی صدور کے بارے میں عجیب بات لکھی ہے:

How many of these presidents would be prosecuted today for genocide by an international war crime tribunal? Four I think excluding Roosevelt.

[Page No.91]

نو کروڑ قتل: پچاس برس!

امریکہ میں ریاستی سطح پر امریکہ کے اصل باشندوں کے خلاف ظلم و جبر کے یہ ابواب تحریر کیے جا رہے تھے تو آباد کاروں کی سطح پر سرخ ہندیوں کے خلاف غم وغصہ، اشتعال، نفرت کے جذبات بہیمیت کی انتہاء پر تھے۔

براعظم امریکہ کے اصل سرخ باشندوں کو صفحۂ ہستی سے مٹانے، ان کی آبائی زمینوں سے ہٹانے، ان کی نسلوں کو تباہ کرنے، انھیں برباد، تہس نہس کرنے کا یہ عمل پچاس برس میں تکمیل پذیر ہو گیا تھا۔ سرخ ہندیوں کا قتل عام کرنے کے لیے خوبصورت اصطلاحیں، دل فریب نعرے، دفاع کی حکمت عملی، اپنی مظلومیت کا ڈھنڈورہ اور سرخ ہندیوں کی وحشت و بربریت کی جھوٹی کہانیاں گھڑی جاتی تھیں، اس تمام عمل میں حکومت، ریاست، عدالت، اخبارات، کلیسا سب ہم آواز تھے کسی سرخ ہندی کی بیوی سے جبری زیادتی کی جاتی یا بھوکے سرخ ہندی بھوک سے مجبور ہو کر یورپی آباد کاروں کے جانور چوری کر کے ذبح کر لیتے یا کھا پی لیتے تو قیامت گزر جاتی۔ عدالت میں کیلی فورنیا کے ایک باشندے کو لایا گیا تو اس نے بیان دیا:

I believe for every beef that has been killed by then ten or fifteen Indians have been killed.

سفید فام مہذب آباد کاروں کے ہاتھوں سرخ ہندیوں کی زندگی کتنی اذیت ناک تھی اس کی تصویر مائیکل مین کے الفاظ میں درج ذیل ہے:

It editorialized about a man called McElroy who had a deer stolen from him. He retaliated by killing an Indian man and his squaw and wounding a third. Then McElroy was murdered as Indians also retaliated. But the death of a white man brought in the California militia. They found an Indian camp, killed 9 Indian men (the rest fleeing), and then butchered its 40 defenseless women and children. This newspaper reported on another occasion that a 36-strong militia unit looking for the killers of a white man found an Indian village and killed all but 2 or 3 of its 150 inhabitants - men, women, and children. The captain of another army unit wrote proudly, "The number killed I confidently report at not less than 75 and have little doubt it extended to

nearly double that number." A captain of different sensibilities criticized a Californian rancher who killed two or three Indians, believing that an Indian had stolen some of his cattle. The next day, the cattle were found. Indians then avenged their dead relatives by killing the rancher. The captain was now trying to prevent further escalation (Heizer, I993: 42-3,63-79, 84-90, 95-7, I56-7, 245, 249-50).

گھوڑے چوری کرنے پر تمام سرخ ہندی واجب القتل ہو گئے:

ریاستِ مزدوری Missouri کے تین سفید فاموں کا کہنا تھا کہ وہ ہر اس سرخ ہندی کو قتل کر دیں گے جو ان کے سامنے آئے۔ کیوں کہ سرخ ہندیوں، نے ان کے گھوڑے چوری کر لیے تھے۔ ایک کے جرم پر پوری نسل کو معتوب قرار دینا کسی بھی جھگڑے کا نصف سبب ہوتا تھا''۔ (Madsen, 1994:316)

Madsen, B. 1994. "Mormons, Forty-Niners, and the Invasion of Shoshone Country," in Hurtado & Iverson (eds.), Major Problems in American Indian History.]

سرخ ہندیوں کے خلاف عسکری یلغار:

سفید فاموں کا مقصد ہندیوں کا مکمل خاتمہ تھا اور سفید فاموں میں تناؤ کی وجہ محض ہتھیاروں یا ان کے نظم وضبط کی برتری نہیں تھی بلکہ یہ اس غم و غصے کا بھی نتیجہ تھا کہ ایک کمتر، جنگلی اور بدتہذیب قوم ایک برتر قوم کے خلاف کس طرح شدید مزاحم تھی ان کی دنیا خوف، فساد اور ظلم کی وجہ سے گراوٹ کا شکار تھی جیسا کہ مختلف صدور کے بیانات سے ظاہر ہوتا ہے۔ اس بات میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ سفید فاموں کی اکثریت ہندیوں کے مکمل خاتمے کی حامی تھی۔ اس سلسلے میں مزاحمت کی سب سے بڑی تحریک ۱۸۸۰ء کی سیاہ فاموں کو غلام بنانے کے خلاف ردعمل کی تحریک تھی۔ اگر چہ یہ بہت تاخیر سے شروع ہوئی مگر اس نے بہت سی جانیں بچالیں۔

قتل عام کرنے والی عسکری طاقت میں فوج اور آبادکاروں کی ملیشیا شامل تھی۔ فوج اپنے اسلحہ اور ابلاغی طاقت کے زور پر زیادہ ہندیوں کو قتل کرسکتی تھی۔ فوج کو امن قائم کرنے، سرخ ہندی چھاپہ مار کارروائیوں کو روکنے، سرخ ہندی تحاریک کو کچلنے، اور سرخ ہندیوں کو ان کے مخصوص علاقوں سے بے دخل کرنے کے کام تفویض کیے گئے تھے۔ ان مقاصد کو حاصل کرنے کے لیے مختلف طریقے استعمال کیے جاتے تھے۔ فوج کے منصوبے کے مطابق سرخ ہندیوں سے مذاکرات کیے جاتے تھے کہ وہ یہ جگہ چھوڑ کر اپنے لیے مخصوص کیے گئے بے آباد خطوں

میں چلے جائیں، جو سرخ ہندی مذاکرات پر راضی نہیں ہوتے ان پر سخت تشدّد کیا جاتا۔

سرخ ہندیوں کے خلاف بہیمانہ جذبات: قتل کر دو یا نکال دو

خانہ جنگی کے بعد فوج نے دورانِ جنگ سیکھی ہوئی عیارانہ حکمت عملی پر عمل کرنا شروع کیا اور میدانی علاقوں کے قیدیوں پر مقامی نسل کشی کا ارتکاب کرنا شروع کیا اور اپاچی اور دوسرے قبائل کا قتل عام کیا۔ شرمان عسکری چیف آف اسٹاف تھا اس نے ۱۸۶۶ء کی جنگ میں اپنی چالوں کو اس طرح بیان کیا ''میرے خیال میں اگر ہم پچاس سرخ ہندیوں کو آرکنساس اور پلیٹ کے درمیان چھوڑ دیں تو ہمیں ہر اسٹیشن، ہر سڑک، ہر ریل گاڑی کی حفاظت کرنی پڑے گی۔ پچاس شر پسند سرخ ہندیوں کے لیے تین ہزار فوجی تعینات کرنے پڑیں گے۔ اس سے بہتر ہے کہ جتنا جلد ممکن ہو ان سے نجات حاصل کر لی جائے۔ یہ زیادہ بہتر ہوگا کہ ان کو بہلا پھسلا کر بے دخل کر دیا جائے یا پھر قتل کر دیا جائے''۔ اس کے الفاظ یہ ہیں:

My opinion is, if fifty Indians are allowed to remain between the Arkansas and the Platte we will have to guard every stage station, every train, and all railroad working parties . . . fifty hostile Indians will checkmate three thousand soldiers, Rather get them out as soon as possible, and it makes little difference whether they be coaxed out by Indian commissioners or killed.

سرخ ہندیوں کا وحشیانہ قتل عام:

اس کا مقصد ان سرخ ہندیوں سے مقابلہ کرنا تھا جو متحرک اور چھوٹے گروہوں کی صورت میں جنگ کرنے کے ماہر تھے۔ لہٰذا ان سے اس وقت جنگ شروع کی جاتی جب وہ سردیوں کے لیے بنے ہوئے رہائشی دیہاتوں میں چلے جاتے، ان کی نقل وحرکت محدود ہو جاتی اور وہ خاص علاقوں میں محصور ہو جاتے اس وقت ان جنگجوؤں کو اپنی عورتوں، بچوں اور املاک کی حفاظت کی خاطر ایک جگہ کھڑے ہو کر مقابلہ کرنا پڑتا۔ آبادکاروں کی فوج کو یقین تھا کہ منجمد جنگ کی صورت میں قتل عام کی صلاحیت بہتر ہوتی ہے اور دشمن کو زبردست نقصان پہنچا کر اس کا خاتمہ کیا جا سکتا ہے۔ (Uttely:1994) تاہم ان کی جنگی صلاحیت ان مردوں، عورتوں اور بچوں کے خلاف براہ راست استعمال ہوتی تھی جو اپنے دیہاتوں سے بھاگنے کی کوشش کرتے اگر وہ فرار ہونے میں کامیاب ہو جاتے تو انھیں اپنی املاک سے ہاتھ دھونا پڑتا اور ایسی جگہوں کو زندگی بسر کرنے کے لیے منتخب کرنا ہوتا جہاں زندہ رہ جانے کی امیدیں بہت کم ہوتیں اور اگر وہ فرار میں ناکام ہوتے تو انھیں ایک ساتھ ہی قتل کر دیا جاتا۔

وحشیانہ قتل عام پر ایک جنرل کا شدید احتجاج:

شرمان کے ماتحت افسر جنرل Sanborn نسل کشی کی اس حکمت عملی پر سخت برہم تھا۔ سیکریٹری داخلہ کو ایک خط میں اس نے لکھا:

”ہماری جیسی طاقت ور قوم کے لیے، چند خانہ بدوشوں سے ایسے حالات میں گھرے ہوئے لوگوں سے جنگ جاری رکھنا قابل شرم ہے یہ ایک ایسا عمل ہے جس نے ہمیں ، ہماری آئندہ نسلوں اور پوری انسانیت کی نظروں میں ہمیشہ کے لیے گرا دیا ہے“۔

For a mighty nation like us to be carrying on a war with a few straggling nomads, under such circumstances, is a spectacle most humiliating, an injustice unparalleled, a national crime most revolting, that must, sooner or later, bring down on us or our posterity the judgement of Heaven.

مظالم پر تنقید کرنے والوں کو مسترد کر دیا گیا:

جنرل سن بورن جیسے غیرت مند جنرل بہت کم تھے تاریخ نے انھیں بھلا دیا۔ ایک جنرل کی جانب سے نہتے مظلوموں کے خلاف وحشیانہ جنگی کارروائیوں پر احتجاج کے باوجود آج تک ان جرائم پر سرخ ہندی باشندوں سے کبھی معذرت نہیں کی گئی شاید یہ تہذیب کا تقاضہ ہے۔

مگر جنرل شری دان نے خود پر تنقید کرنے والوں کی تنقید کو مسترد کرتے ہوئے انھیں ایسے ’متقی کلیسائی‘ قرار دیا، جو ان وحشیوں کے مددگار اور ہمدرد ہیں جنھوں نے مردوں، عورتوں اور بچوں کو قتل کیا ہے۔ اس کی وضاحت ایک ردعمل کے سوا کوئی حیثیت نہیں رکھتی۔ شری دان کی شخصیت، ہتھیار ڈالنے والے سرخ ہندیوں کے ساتھ ایک مکالمے میں ظاہر ہوتی ہے جس میں ان کے سربراہ نے خود کو ٹوٹی پھوٹی انگریزی میں متعارف کراتے ہوئے کہا Tosawi, good Indian کہا تھا، جنرل شری دان نے جواب دیا ”مرا ہوا سرخ ہندی ہی میری نظر میں اچھا سرخ ہندی ہے“ بعد ازاں اس کے بدنام زمانہ الفاظ مشہور ہو گئے کہ:

The only good Indian I ever saw is dead Indian"

(Broown, 1970: 157-8, 170-I)

[Brown, D. 1970. Bury My Heart at Wounded Knee: An Indian History of the American West. London:

Barrie & Jenkins.]

سرخ ہندیوں کے خلاف عسکری کارروائیاں:

شری دان اور شرمان سرخ ہندیوں کے خلاف جنگ میں کمان کے سربراہ رہے اور ان کی ظالمانہ تدبیریں آبادکاروں اور سیاستدانوں میں پسندیدہ رہیں اور انھوں نے انتہائی اطمینان سے اپنے مقاصد حاصل کیے عسکری حکمت عملی کی اخلاقیات کا انحطاط قاتلانہ نسل کشی کا حصہ رہا۔

دشمن سے نفرت اس قسم کی عسکری حکمت عملی کا لازمی حصہ ہوتی ہے۔اس میں دشمن کی ضروریات کی فراہمی کے ذرائع کو منقطع کر دیا جاتا ہے جو کہ لڑائی نہ کرنے والے گورے لیے انھیں فراہم کرتے ہیں یہ چالیں انیسویں صدی میں میدانی سرخ ہندیوں کے ساتھ جنگ میں استعمال کی گئیں۔بہادر جنگجو کوئی مخصوص یونیفارم نہیں پہنتے تھے لہٰذا ہر سرخ ہندی مرد دشمن ہوسکتا تھا۔محفوظ طریقہ یہ ہے کہ تمام سرخ ہندی مردوں کو قتل کر دیا جائے۔اس کے علاوہ جنگی حکمت عملی کے طور پر دشمن کو ایسے مقام پر دفاع پر مجبور کر دیا جاتا جہاں مرد عورتیں اور بچے اکٹھا ہوں۔ اس قسم کی عسکری چالیں شدید ظالمانہ تھیں۔

آبادکاروں کی ملیشیا کو ریاست اور مقامی حکومتوں کی طرف سے امداد دی جاتی تھی۔جس کی وجہ سے ان کے اندر نسل کشی کا جذبہ اور بھی تازہ رہتا تھا۔یہ جنگجو جز وقتی ملازم ہوتے، اور انھیں سرخ ہندیوں کے سر کے بدلے اجرت دی جاتی تھی۔

ہر سرخ ہندی کو قتل کر دو:

کرنل شونگٹن جو کولوراڈو کی تیسری ملیشیا کا کمانڈو اور سابق ضابطہ پرست وزیر تھا اس کا کہنا تھا کہ ''میرا مقصد ہر اس سرخ ہندی کو قتل کرنا ہے جو میرے سامنے آئے، خواہ چھوٹا ہو یا بڑا۔چھوٹے سے اس کی مراد بچے تھے جیسا کہ وہ کہتا تھا 'انڈے ہی جوؤں بنتے ہیں۔

"kill and scalp all, little and big." "Little" meant children, for as he said, "Nits make lice."

ایک عسکری افسر سرخ ہندیوں کے ساتھ مذاکرات کا خواہش مند تھا جب اس نے شونگٹن کی ملیشیا کے بارے میں استفسار کیا تو اس کے گورنر نے جواب دیا:

''انھیں سرخ ہندیوں کو ختم کرنے کے لیے تیار گیا تھا اور وہ انھیں قتل کر کے ہی چھوڑیں گے''۔

سپاہی، عورتوں کے اعضاء کے تمغے اٹھائے پھرتے تھے

۱۸۶۴ء میں Sand Creek میں کرنل شونگٹن نے ایسا ہی کیا اس کی فوج نے ۱۰۵ سرخ ہندی

عورتوں اور بچوں اور ۲۸ مردوں کو قتل کیا اور ان کے اعضاء کاٹ ڈالے۔ اس کی فوج کے سپاہی جو تمغے اٹھائے پھر رہے تھے وہ عورتوں کی فرج [vagina] سے بنائے گئے تھے۔ یہ مہذب متمدن یورپی آبادکاروں کا حال تھا جو آج دنیا کو انسانیت اور اخلاقیات کا درس دے رہے ہیں۔ (Brown 1970:86-93 Stannard 1992-171-4)

[Brown, D. 1970. Bury My Heart at Wounded Knee: An Indian History of the American West. London: Barrie & Jenkins.]

[Stannard, D. 1992. American Holocaust: The Conquest of the New World. New York: Oxford University Press.]

قاتل اخبارات میں ہیرو کے طور پر پیش کیے جاتے:

بعض لوگوں کی کوشش تھی کہ وہ شونگٹن کو عدالت میں لائیں مگر وہ ایسا کرنے میں ناکام رہے۔ شونگٹن ہمیشہ Denver کے اخبارات ورسائل وجرائد کا ہیرو رہا (Wallace (1999:218 کا خیال ہے کہ آباد کار خود ایک فوج بن چکے تھے جس کا غصہ ہر اس سیاستدان پر ابل پڑتا جو ان کی رائے کے خلاف جانے کی کوشش کرتا۔

1998-187-8 [Cocker, M. 1998. Rivers of Blood, Rivers of Gold. London: Jonathan Cape.]

مصنف کوکر (Cocker) نے Sugarfoot Jack کی سوانح بیان کرتے ہوئے بتاتا ہے کہ یہ بین الاقوامی سطح کا قاتل تھا اور اسے برطانیہ سے تسمانیہ کی اصل آبادی کو قتل کرنے کے لیے لے جایا گیا اس کے بعد وہ کیلی فورنیا کی ملیشیا کا رکن بنا اور آخر میں اپاچی قبیلے کے نومولود بچوں کا اذیت پسند قاتل بنا۔

اس سے پہلے کہ ہم امریکی ریاست کے سرخ ہندیوں پر مظالم کی داستان کے بعض اوراق پلٹیں ضروری ہے کہ ۱۷ ویں صدی سے پہلے اور کے بعد کے معاشروں کی جنگجویانہ تصویر کی اصل حقیقت بھی آپ کے سامنے پیش کر دیں۔ یہ حقیقت اعداد وشمار کی صورت میں پیش کی جارہی ہے جو کسی تفسیر تشریح کی محتاج نہیں ہے۔

سترہویں صدی سے پہلے کے قتل عام:

رومیل نے اپنی کتاب Death by Government میں اعداد وشمار کے ذریعے ثابت کیا ہے کہ دنیا کی پوری تاریخ میں جتنے قتل عام ہوئے بیسویں صدی کے صرف اٹھاسی سالوں میں اس سے کئی گنا زیادہ قتل عام ہوئے، سترہویں صدی سے قبل کے تمام قتل عام کی تفصیل ویب سائٹ Hawaili.com سے ۵ رفروری ۲۰۰۵ء کو حاصل کیے گئے۔ رومیل کے اعداد وشمار کے مطابق سترہویں صدی سے قبل دنیا کی تاریخ میں

صرف ۴۷ کروڑ لوگ مارے گئے۔ ان مارے جانے والوں میں سب سے زیادہ تعداد افریقی غلاموں اور چینی امریکی باشندوں کی ہے۔ چینی شہنشاہیتوں ہیونگ، ہان، تانگ، سانگ کے ہاتھوں چین کے ۲۰ کروڑ باشندے پانچ سوسال کے دوران ہلاک کیے گئے۔ رومیل نے اس قتل عام کی وجوہات اور تفصیلات ویب سائٹ پر مہیا نہیں کی ہیں۔ اس کے بعد دوسرا نمبر امریکی استعمار کا ہے جہاں پچاس سال کے عرصے میں امریکہ کے اصل مقامی باشندے جن کی تعداد دس کروڑ تھی۔ رومیل کے مطابق ۸ کروڑ ہلاک کردیئے گئے جب کہ مائیکل مین کے مطابق ۹ کروڑ ہلاک کیے گئے۔ دیگر تفصیلات درج ذیل ہیں:

بارہویں صدی صلیبی جنگ: عیسائیوں کے مظالم: ستر ہزار قتل

After the capture of Bram in 1210, the Albigensian Crusaders, Christians all, took 100 of the captured soldiers and gouged out their eyes, cut off their noses and upper lips, and had them led by a one-eyed man to Cabaret, yet to be attacked. the alleged 40,000 to possibly even over 70,000 men, women, and children that were butchered after the Christian Crusaders took Jerusalem in 1099.

افریقی غلام: ساڑھے چھ کروڑ قتل

In the 16th to 19th centuries alone the death toll among African slaves being transported to the New World may have been over 1,500,000, possibly 2,000,000; millions more died in capture and in transit to the Orient or Middle East. And just among those kept in Africa some 4,000,000 may have died. Overall, in five centuries, Europeans, Arabs, Asians, and African slave traders, possibly murdered near 17,000,000 Africans; perhaps even over 65,000,000.

منگولوں کی یلغار اور اس کی تاریخ:

چنگیز خان: بخارا سمرقند: ساٹھ ہزار شہید

Jinghiz Kahn's army captured Bokhara and allegedly murdered 30,000; and another 30,000 people in capturing Samarkand.

مرو:۱۳لاکھ شہید

a Mongol army seized Merv and reportedly took 13 days to slaughter 1,300,000 inhabitants

قزوین،نیشاپور:ایک لاکھ بیس ہزار شہید

Historians also record that in 1220 the Mongols killed 50,000 in Kazvin after it was captured;16 70,000 in Nessa, and a similar number in Sebzevar.

خراسان: تیرہ لاکھ شہید

the Mongol Tului slew 700,000 to 1,300,000 people in Meru Chahjan, one of the four main cities of Khorassan in the Northern borderland of Persia.

رے: تین ہزار مساجد اور کل آبادی شہید

the entire population of Rayy, a city with 3,000 mosques, was slaughtered. Herat was later captured, but only some 12,000 soldiers and their dependents were killed.

However, after the inhabitants later rebelled Jinghiz Khan angrily sent his general Noyan against them. The city was recaptured and it took a whole week to burn it down and murder its estimated 1,600,000 people. Many thousands escaped, but Noyan later sought and killed over 2,000 of them.Then in 1226-33 there was the nearly total extermination-truly a genocide

بغداد:۸لاکھ شہادتیں

The Mongols subsequently invaded what is Iraq and in 1258 the Mongol Khulagu captured Baghdad, sacked and burned the city, including most mosques, and reportedly annihilated 800,000 of its people. 1381 to 1401

تیمور: تین ہزار جیلیں: سروں کے مینار

Tamerlane (or Timur Lenk), a Turk who proclaimed himself restorer of the Mongol Empire, razed Isfarã'in to the ground in A.D. 1381; built 2,000 prisoners into a living mound and then bricked them over at Sabsawer in 1383; piled 5,000 human heads into minarets at Zirih in the same year; cast his Luri prisoners alive over precipices in 1386; massacred 70,000 people and piled the heads of the slain into minarets at Isfahan in 1387; . . . buried alive 4,000 Christian soldiers of the garrison of Sivas after their capitulation in 1400; and built twenty towers of skulls in Syria in 1400 and 1401.

منگولوں کے ہاتھوں تین کروڑ انسانوں کا قتل

the Mongol khans and their successors and pretenders possibly slaughtered around 30,000,000 Persian, Arab, Hindu, Russian, Chinese, European, and other men, women, and children.

قبلائی خان: ایک کروڑ پچاسی لاکھ چینیوں کا قتل

Khubilai Khan's rule over China. According to a Chinese writer, "in gaining and maintaining his throne he slaughtered more than 18,470,000 Chinese. He killed something like 1 out of every 137 Chinese each year. In Chinese Dynasty:

شہنشاہ ہیونگ [چین]: ۳۴۶ دانشور زندہ دفن کر دیے

Even the great emperor who unified China and gave it his name, Qin (pronounced Chin) Shihuang, buried alive 346 scholars in order to discourage opposition.

ہان شہنشاہیت: ایک کروڑ قتل

In the eight years that the Han Dynasty was being replaced by the Qin Dynasty 221-207B.C., the population of China decreased from 20

million to 10 million.

چین: تین سو سال میں چار کروڑ تیس لاکھ قتل

In the Dong (Eastern) Han Dynasty 206B.C.-220A.D., the population of China was 50 million. After the transition of power to the Three Kingdom period 222-589, the population decreased to 7 million.

تانگ شہنشائیت: ساڑھے تین کروڑ لوگوں کا قتل

In the Sui Dynasty 581-618, the population of China was 50 million. After the transfer of power to the Tang Dynasty 618-907, only one third was left.

سانگ شہنشائیت: ساڑھے آٹھ کروڑ لوگوں کا قتل

At the peak of the Song Dynasty 960-1279 the population was about 100 million. But in the beginning of the Qing Dynasty in 1655, the population was 14,033,900. During the 20 year period from 1626 to 1655, the population decreased from 51,655,459 to 14,033,900.

تائپینگ ٹرائڈ غدر: چار کروڑ تیس لاکھ قتل

just in the one month of 1681, for just the Triad Rebellion, in merely the one province of Kwangtung, with the rebellions defeat "some 700,000 people were executed. During the last century in over some fifteen years the Teiping Rebellion possibly cost "tens of millions" of lives, maybe even as many as 40,000,000. Some 600 cities were "ruined." Because the rebellion began in the province of Kwangsi, Imperial forces allowed no rebels speaking its dialect to surrender. All were slaughtered. Indeed, massacre on both sides during this and the almost concurrent Nein Rebellion was general. For one county in the province of Anhwei, for example, local scholars lamented that out of a population of 300,000 Chinese, "By the time the rebels were cleared

only a little over 6,000 survived. This is a catastrophe unique for the locality since the beginning of the human race." Overall, 70 percent of the province's population were killed or died. When the Teiping rebels captured Nanking in 1853 they killed all the Tartars garrisoning the city. But this was not enough. They also murdered all their family members. In total about 25,000 people may have been wiped out. When imperial troops recaptured Nanking the following year they in turn allegedly exterminated about 100,000 rebels, and in just three days. They followed the same quick and bloody policy in Canton and along the Pearl River. After they recaptured this area from the rebels they are said to have beheaded 700 to 800 inhabitants a day, whether rebel collaborator or not, ultimately killing another 100,000 people. Just in the province of Kwangtung, it is written that 1,000,000 were executed. In one province, reportedly 1,000,000 were executed! This is more than the total number of Americans killed in all the civil and international wars the United States has fought in its whole history, including the War of Independence.

There also was the nearly concurrent Moslem uprisings with their attendant slaughter. For the province of Yunnan 5,000,000 out of 8,000,000 may have died. When the last Muslim stronghold fell to imperial forces, 20,000 men, women, and children were "put to the sword."45 In Shensi province population fell from 700,000 or 800,000 Moslems to between 20,000 and 30,000 in ten years. Even most of the 50,000 to 60,000 Moslems that fled to Kansu province perished. All told still a much larger number of Chinese were massacred by Moslem rebels or otherwise died.

عثمانی سلاطین: چالیس ہزار شیعوں کا قتل

When the Ottoman Mohammed II sieged and finally took

Constantinople in 1452, he massacred thousands.

As the 1876 Bulgarian rebellion against the Ottoman Empire that was brutally suppressed by the Sultan: about 60 villages were destroyed, and 12,000 to 15,000 massacred. In one reported incident, a church was set ablaze to burn alive the 1,200 people who had gathered inside for protection.

Sixteen Century Sultan Selum (The Grim), father of SŸleyman whose campaign diary was quoted above, killed his father, two brothers, many nephews, sixty-two other relatives, and seven grand viziers during his eight year rule. It is told that he inaugurated this bloody reign by slaughtering 40,000 Turkish Shi'ites.

ڈیوک آف بوربن: لاکھوں لوگوں کا قتل عام

In 1527 the army of Tirolese condottiere Frunsberg and Charles, Duke of Bourbin, captured and sacked Rome. Historians record that at a minimum 2,000 corpses were thrown into the Tiber river and 9,800 dead were buried;50 many more were killed. During the Thirty Years War the Count of Tilly and Count zu Pappenheim may have massacred as many as 30,000 inhabitants of Magdeburg when the city fell to them after a six-month siege.

The German Empire alone may have lost more than 7,500,000 people in the war.

ڈیوک آف البا: اٹھارہ ہزار قتل

From 1567 to 1573, the Duke of Alba (representative to the Low Countries of Philip II, King of Spain) tortured to death and otherwise killed 18,000 Protestants to maintain order, or so it is said.

بوہیمیا: ایک کروڑ دس لاکھ قتل

The population of Bohemia had been reduced from around 4,000,000

people to possibly no more than 800,000. Putting a number of such figures together, in this war alone from 2,000,000 to over 11,000,000 people were probably murdered.

صلیبی جنگیں: لاکھوں لوگوں کا قتل عام

And the Crusades of the Middle Ages should not be ignored. In the aforementioned 1099 sack of Jerusalem, besides the 40,000 to over 70,000 Moslems that may have been butchered, the Crusaders herded surviving Jews into a synagogue and burned them alive.

In 1209 the Albigensian Crusaders also slaughtered some 15,000 to 60,000 inhabitants of Baziers, after which the city was plundered and burned. And in 1236 when the Jews of Anjou and Poitou refused to be forcibly baptized, the Crusaders reportedly trampled 3,000 of them to death with their horses.

فرانس: گیارہ لاکھ لوگوں کا قتل

the Great Terror of 1793-1794 in revolutionary France: The Revolutionary Tribunal and its equivalent in the provinces may have executed up to 20,000 of the nobility, political opponents, and alleged traitors. And although often reported as a civil war, in fact a full-scale genocide was carried out in the Vendze in which possibly 117,000 inhabitants were indiscriminately murdered.

دو کروڑ پچیس لاکھ یوروپیوں کا قتل

Jews everywhere were thus attacked during the Black Death of 1347-1352 that killed around 25,000,000 Europeans.

جزیرہ بورنیو میں قتل عام:

An 1849 expedition sent out against certain native tribes of the coast of Borneo. Under the direction of Sir James Brooke, British Rajah of

Sarawak, it annihilated a force of Dyaks then allegedly returning from a piratical excursion against coastal tribes. About 1,500 to 2,000 of them were killed by cannon shot, musket, grapeshot.

ولندیزی استعمار: ہزاروں چینیوں کا قتل

Inside the walls of Batavia, stripping them of the smallest kitchen knife and putting them under a dusk-to-dawn curfew. The Dutch then distributed arms to what they themselves called "the low-class masses" and gave these "mobs" a free hand to massacre the helpless Chinese. The rapine inside Batavia was allowed to go on from the 9th to the 22nd of October, 1740. While the "mobs" were despatching Chinese lives inside Batavia, the Dutch East India Company troops killed those who had fled from the city before the curfew and roamed in Batavia's environs.

10,000 city-Chinese lost their lives.

Of the 80,000-odd Chinese in Batavia's environs prior to the extermination only around 3,000 survived.....

in June 1741 the Council of the Indies voted for a "general massacre of the Chinese over the whole of Java."

امریکی استعمار: آٹھ کروڑ سرخ ہندیوں کا قتل

As the Puritan killing of 500-600 Pequot Indians at Mystic Fort in 1637 and the French annihilation of perhaps 1,000 Nanchez Indians in the lower Mississippi after defeating them in 1731. To consider one notorious massacre, in 1864 citizen and military troops enlisted from the Colorado territory and led by Colonel John Chivington surrounded and surprised Cheyenne at Sand Creek in the Colorado Territory. In total from 70 to 600 were massacred, the latter the upper estimate of the Colonel; 130 killed seems closer to the truth. At Washita 103

Cheyenne were killed in 1868; in 1870 at Piegan Village 173 Indians were killed; and at Wounded Knee in 1890 it was possibly 146 Sioux. Also often cited is the Bear River Massacre of 1863 in which 250 Shoshoni were wiped out. This began as a battle between Indians and soldiers, but degenerated into a slaughter of helpless and wounded Indians. Some 3,000 Indians were killed in the years 1789 to 1898. Settlers and vigilantes likely killed a thousand more. Since many of these Indians were killed in pitched battles, it seems very unlikely that the number of Indians massacred outright by Calvary and settlers in the American West could have been more than 4,000, and was probably a good number less. In the 1835 treaty of New Echota with the U.S. government Cherokee leaders of a minority faction, and without the approval of the majority, agreed to the nation moving out of Georgia to West of the Mississippi River. Although many prominent Americans publicly opposed such a deportation, in 1838 President Van Buren ordered the army to enforce the treaty. At gun point the Cherokees were thus made to trek westward to Oklahoma in the winter of 1838-39. The resulting exposure and disease killed off nearly 25 percent of the tribe, or about 4,000 people. While the Federal Government's responsibility is mitigated by the treaty, the cruelty of the enforcement amounts to indirect massacre. It was democide. Perhaps overall, considering these and other cases and including massacres, by 1900 some 10,000 to 25,000 Indians may have been killed. Before the conquest of the New World the Indian population may have numbered from 8,000,000 to 110,000,000; perhaps even 145,000,000. A moderate population estimate consistent with the latest research is of 55,000,000 Indians. Almost totally as a result of several waves of

disease carried to the Americas by the conquering and colonizing Europeans, the Indian population dropped steeply by tens of millions, even possibly by as much as 95 percent.80 In Mexico alone the Indian population may have fallen by 23,000,000 to under 2,000,000. including those Indians who were killed in warfare and democide, perhaps 60,000,000 to 80,000,000 Indians of Central and South America and the Caribbean died as "a result of the European invasion." I found one overall estimate of 15,000,000 Indians killed in what appears to be democide, but this figure is given without citation or elaboration. In any case, judging by the bloody history of this period of colonization throughout the Americas, a democide of 2,000,000 would seem a rough minimum and 15,000,000 dead a maximum. Even if these figures are remotely true, then this still make this subjugation of the Americas one of the bloodier, centuries long, democides in world history.

برطانوی استعمار: آسٹریلیا کے باشندوں کا قتل عام

In Tasmania alone by 1832 as many as 700 out of an original population of 1,000 may have been killed. In all of Australia the Aborigine population in 1788 was about 300,000, divided into about 500 tribes, each with a distinct dialect and culture. In the resulting frontier conflict with settlers during the 18th and 19th centuries, possible 20,000 or more Aborigines were killed.

سلطان فیروز شاہ کے ہاتھوں قتل عام

It is recorded that in the 12th or 13 century Sultan Firoz Shah invaded Bengal and offered a reward for every Hindu head, subsequently paying for 180,000 of them. Whenever in his territory the number of Hindus killed in one day totaled 20,000, Sultan Ahmad Shah celebrated

with a three-day feast.

کنگ چارلس نہم: ایک لاکھ کالونسٹوں کا قاتل

On August 24th, 1572, King Charles IX or his Court unleashed a slaughter of French Calvinists that spread from Paris to the whole country. In this famous St. Bartholome day massacre a contemporary Protestant estimated that 300,000 were killed; later estimates reduced this to 100,000, then 36,000.

عثمانی سلاطین: قتل عام کی وارداتیں

A more recent example of genocidal massacres is given by the Ottoman Empire. It was composed of diverse nations, which were often treated with great cruelty by the ruling Turks. Their massacre of Bulgarians in 1876. This was but one of many massacres of national groups. In 1822 they allegedly killed 50,000 Greeks, largely in Scio (Chios); 10,000 Nestorians and Armenians in Kurdistan in 1850; and 11,000 Maronites and Syrians in Lebanon and Damascus in 1860.

From 1894 to 1896 the Sultan carried out a systematic campaign of murder. Probably between 100,000 to over 300,000 Armenians were massacred. When these killings are added to those by various Ottoman Sultans through the centuries, at the very least they must have exterminated some 2,000,000 Armenians, Bulgars, Serbs, Greeks, Turks, and other subjects.

رومیل نے ہندوؤں کے ہاتھوں بدھ مت کی تباہی و بربادی اور لاکھوں بدھوں کی ہلاکت کے بارے میں اعداد وشمار مہیا نہیں کیے اسی طرح منگولوں کے ہاتھوں مسلم علاقوں کی تباہی کا بہت مختصر تذکرہ کیا گیا ہے۔ مغلوں کے ہاتھوں ہندوستان میں قتل عام کی تفصیل بھی نہیں دی گئی جب کہ سکندر مہدی نے گلین پیج کی کتاب کے مقدمے میں مغلوں کے مقتولین کی تعداد تین کروڑ درج کی ہے جو درست نہیں ہے۔ رومیل نے ایران میں صفوی حکومت کے ہاتھوں قتل عام کی تفصیل بھی نہیں دی۔ جب کہ براؤن کی کتاب اس سلسلے میں کافی معلومات فراہم

کرتی ہے۔عیسائیت کے ہاتھوں ہم مذہب لوگوں کے قتل کی تفصیلات بھی نہیں دی گئی ہیں۔

بیسویں صدی: دنیا کی تاریخ کی سب سے خونی صدی

رومیل نے اپنی کتاب Death by Government میں اعداد وشمار کے ذریعے بیسویں صدی کو دنیا کی تاریخ کی خون خوار صدی کے طور پر نمایاں کیا ہے۔رومیل کی کتاب کے اعداد وشمار ویب سائٹس Hawaii.com سے فروری ۲۰۰۵ء میں حاصل کیے گئے تھے۔ملاحظہ فرمائیے:

بیسویں صدی: پندرہ کروڑ دس لاکھ لوگوں کی قاتل

میدان جنگ میں مرنے والے: تین کروڑ پچاسی لاکھ

Those states killing in cold blood, aside from warfare, 1,000,000 or more men, women, and children. These fifteen megamurderers have wiped out over 151,000,000 people, almost four times almost 38,500,000 battle-dead for all this century's international and civil wars up to 1987. The most absolute Power, that is the communist U.S.S.R., China and preceding Mao guerrillas, Khmer Rouge Cambodia, Vietnam, and Yugoslavia, as well as fascist Nazi Germany, account for near 128,000,000 of them, or 84 percent.

بیسویں صدی: ڈیموسائیڈ میں ایک کروڑ پچاس لاکھ لوگوں کا قتل

Then there are the kilomurderers, or those states that have killed innocents by the tens or hundreds of thousands, China Warlords (1917-1949), Ataturk's Turkey (1919-1923), the United Kingdom (primarily due to the 1914-1919 food blockade of the Central Powers in and after World War I, and the 1940-45 indiscriminate bombing of German cities), Portugal (1926-1982), and Indonesia (1965-87). Some lesser kilomurderers were communist Afghanistan, Angola, Albania, Rumania, and Ethiopia, as well as authoritarian Hungary, Burundi, Croatia (1941-44), Czechoslovakia (1945-46), Indonesia, Iraq, Russia, and Uganda. For its indiscriminate bombing of German and Japanese civilians, the United States must also be added to this list. These and

other kilomurderers add almost 15,000,000 people killed to the democide for this century.

روس میں بیگاری نظام: چار کروڑ کا قاتل:

رومیل کے خیال میں چار سو سال کے اندر افریقہ کے مقتول غلاموں کی تعداد روس میں جبری بے گار میں مرنے والوں سے نصف ہے جب کہ روس میں چار کروڑ لوگ صرف ستر سال کے عرصے میں ہلاک ہوئے جب کہ امریکی استعمار نے پچاس سال کے عرصے میں ۹ کروڑ سرخ ہندیوں کو جو امریکا کے اصل باشندے تھے۔ روئے زمین سے مٹا دیا۔

Far above all is gulag-the Soviet slave-labor system created by Lenin and built up under Stalin. In some 70 years it likely chewed up almost 40,000,000 lives, over twice as many as probably died in some 400 years of the African slave trade, from capture to sale in an Arab, Oriental, or New World market.

بیسویں صدی کے اٹھاسی سال: سترہ کروڑ لوگوں کی تعذیب/۳۶ کروڑ لوگوں کی قاتل

In total, during the first eighty-eight years of this century, almost 170,000,000 men, women, and children have been shot, beaten, tortured, knifed, burned, starved, frozen, crushed, or worked to death; or buried alive, drowned, hung, bombed, or killed in any other of the myriad, ways governments have inflicted death on unarmed, helpless citizens or foreigners. The dead even could conceivably be near 360,000,000 people.

جنگوں اور خانہ جنگوں میں: بیس کروڑ تیس لاکھ قتل

Putting the human cost of war and democide together, Power has killed over 203,000,000 people in this century.

ہٹلر: ۲ کروڑ دس لاکھ یہودیوں کا قاتل

روسی شہری: چھ کروڑ بیس لاکھ قتل

Hitler murdered millions of Jews is common knowledge. That he murdered overall near 21,000,000 Jews, Slavs, Gypsies, homosexuals,

Frenchmen, Balts, Czechs, and others, is virtually unknown. Similarly, that Stalin murdered tens of millions is becoming generally appreciated; but that Stalin, Lenin, and their successors murdered almost 62,000,000 Soviet citizens and foreigners is little comprehended outside of the Soviet Union (where similar figures are now being widely published). Then there is Mao Tse-tung's China, Chiang Kai-Shek's China, the militarist's Japan, Yahya Khan's Pakistan, Pol Pot's Cambodia, and the others.

نازی، جاپانی اور چینیوں کے ہاتھوں قتل عام:

Aside from battle or military engagements, during the war the Nazis murdered around 20,000,000 civilians and prisoners of war, the Japanese 5,890,000, the Chinese Nationalists 5,907,000, the Chinese communists 250,000, the Nazi satellite Croatians 655,000, the Tito Partisans 600,000, and Stalin 13,053,000.

بیسویں صدی: حکومتیں سترہ کروڑ لوگوں کی قاتل

Murder of between 5 to 6 million Jews became the paradigm case of genocide and underlies the word's origin.

Taking both social definitions into account, governments have murdered probably around 174 million people during the 20th Century. Most of this killing, perhaps around 110 million people, is due to communist governments, especially the USSR under Lenin and Stalin and their successors (62 million murdered), and China under Mao Tse-tung (35 million). Some other totalitarian or authoritarian governments are also largely responsible for this toll, particularly Hitler's Germany (21 million murdered) and Chiang Kai-Chek's Nationalist government of China (about 10 million). Other governments that have murdered lesser millions include Khmer Rouge Cambodia, Japan,

North Korea, Mexico, Pakistan, Poland, Russia, Turkey, Vietnam, and Tito's Yugoslavia.

Burundi (1972), Cambodian Khmer Rouge (1975-79), Iraq (1963-), Myanmar (1962-), Nigeria (1967-70), Rwanda (1994), Serbia (1990s), Sudan (1956-), and many others.In the Taiping Rebellion (1851-64) alone, upwards of forty million were killed, the vast majority likely murdered.

بدترین قاتل: روسی حکومت

The worst murdering government was that of the Soviet Union, where Lenin, Stalin, and their successors may have killed around 62 million citizens and foreigners.

The Communist Party of China under Mao Tse-tung and his successors may have accounted for 39 million Chinese.

The Nazis under Hitler carried out the Holocaust against the Jews, which everyone knows about, but lesser known is their other murders, which including the Jews amount to about 21 million murdered.

چیانگ کائی شیک: ایک کروڑ لوگوں کا قاتل

Virtually unknown is that the Chinese Nationalist government, while in power from 1928 to 1949 under Chiang Kai-Shek, murdered some 10 million Chinese.

There were lesser murdering governments that while they killed a million or more people, managed to keep the total under 10 million. Just to name them, with the years and approximate millions murdered in parenthesis: Japan (1937-45: 6), Cambodia Khmer Rouge (1975-79: 2), Turkey (1909-18: 1.9), Vietnam (1945-87: 1.7), North Korea (1948-2002: over 2), Poland (1945-48: 1.6), Pakistan (1958-87: 1.5), Mexico (1900-20: 1.4), Russia (1900-17: 1.1), and Yugoslavia under

Tito (1944-87:1). Well over a hundred other governments murdered their share in the tens or hundreds of thousands in this 20th century blood bath.

بیسویں صدی: دیگر قتل عام

Those cases that most clearly would be such crimes are the Holocaust costing 5-6 million Jews killed, of course. Both the UN Tribunals for Rwanda (overall about, 500-750 thousand Tutsi killed in 1994) and Yugoslavia (about 25,000-100,000 murdered in Bosnia-Herzegovina) have found that genocide had occurred and have meted out punishment. Some other major cases that fit or come close, with murdered in parenthesis) are the 1909-23 mass murder of Armenians, Greeks, and other Christians by the Turkish regimes (about 2.1 million Armenians and 347 thousand Greeks), Cambodian Khmer Rouge 1975-79 murder of Buddhist monks, Cambodian-Vietnamese, Muslims, and other minorities (541,000); 1904-07 German murder of Hereros, Hottentots, and Berg-Damaras of Namibia (72,000), 1967-87 Burundi murder of Hutus (150,000), World War II Croatia's murder of Serbs and Jews (655,000), Iraq's 1966-88 murder of Kurds and southern Shiites (over 100,000).

رومیل کے اعداد وشمار کے لحاظ سے بیسویں صدی دنیا کی تاریخ کی بدترین، ظالم ترین اور وحشیانہ صدی تھی جس میں ایک ارب سے زیادہ لوگ مارے گئے۔ بیسویں صدی کو تاریخ انسانی کا سب سے اہم زمانہ کہا گیا، جب جمہوریت، مساوات، انسانی حقوق، سائنسی ترقی، خدا بےزاری، مذہب سے نجات، مذہبی اقدار سے لاتعلقی عام تھی۔ سترہویں صدی سے پہلے کے زمانے کو مغرب اور مشرق کے تمام سیکولر مفکرین Dark Age تاریک زمانہ کہتے ہیں۔ کیونکہ کہ سترہویں صدی سے قبل انسان علم کا سرچشمہ انسان کو یعنی اپنے علم، تجربے، مشاہدے، جذبات، حواس، وجدان کو نہیں سمجھتا تھا اور خارجی ذریعہ علم کو علم کا لازمی حتمی قطعی آخری اور درست وسیلہ سمجھتا تھا لہٰذا سترہویں صدی سے پہلے کے تمام انسان انسان نہیں جاہل، وحشی اور درندے تھے۔ رومیل کے اعداد و

شمار سے پتہ چلتا ہے کہ سترہویں صدی سے پہلے کے وحشی جاہل انسانوں نے اپنی پوری تاریخ میں صرف ۴۷ کروڑ لوگ قتل کیے اس میں بھی تین چوتھائی قتل چینی شہنشاہیتوں اور تاتاریوں کے ہاتھوں ہوئے۔ مذہبی بنیادوں پر قتل عام کی تاریخ بہت مختصر ہے۔ عیسائیوں کی جانب سے انکی زی سیون Inquisition اور ہندوؤں کی جانب سے بدھوں کے قتل عام کے اعداد و شمار بھی شامل کر لیے جائیں تب بھی یہ بیسویں صدی کے جمہوری قتل عام بہت کم ہوں گے لیکن سترہویں صدی کے بعد تو پچھلے تمام ریکارڈ توڑ دیئے گئے اور رومیل کے مطابق صرف بیسویں صدی کے ابتدائی اٹھاسی سال میں ۳۶ کروڑ لوگ قتل کیے گئے۔

جدید جمہوریتوں کے ہاتھوں پندرہ کروڑ لوگوں کا قتل: مائیکل مین

صرف امریکی استعمار نے ۹ کروڑ سرخ ہندیوں کو قتل کیا

پروفیسر مائیکل مین کیلی فورنیا یونیورسٹی کے سوشیالوجی کے پروفیسر ہیں، ان کی نسل کشی سے متعلق کئی کتب شائع ہو چکی ہیں، ان کتب میں کیمبرج یونیورسٹی پریس سے شائع ہونے والی The Dark Side of Democracy شائع شدہ ۲۰۰۵ء، The Source of Social Power شائع شدہ ۱۹۹۳ء، ۱۹۸۶ء، Facsist شائع شدہ ۲۰۰۴ء شامل ہیں۔ مائیکل مین کا مضمون ''جمہوریت اور نسل کشی میں فطری تعلق'' جوان کی کتاب The Dark Side of Democracy میں شامل ہے جدید جمہوریتوں کے ہاتھوں قتل ہونے والے کروڑوں انسانوں کی تفصیلات بیان کی گئی ہیں، یہ مضمون لندن سے شائع ہونے والے رسالے New Left Review میں شائع ہو چکا ہے۔

مائیکل مین کے مطابق جمہوریت کے سنہری دور میں چھ کروڑ انسانوں کو قتل کیا گیا۔

۱۔ ۱۹۱۶ء سے قبل کی دہائیوں میں پچیس لاکھ یہودی مغرب کی طرف نقل مکانی کر گئے۔

۲۔ تشدد کی آخری لہر بلقان (Balkan) جنگوں کی صورت میں ظاہر ہوئی جس سے سلطنت عثمانیہ کے پانچ لاکھ عیسائی عوام شمال کی جانب فرار پر مجبور ہوئے۔

۳۔ قوم پرست ترکوں کی جانب سے آرمینیا میں دس لاکھ افراد کا قتل عام کیا گیا۔

۴۔ پچیس ہزار یوکرائنی یہودی خود یوکرائن ہی کے قوم پرستوں کے ہاتھوں مارے گئے اور پچاس ہزار سے زائد کو white آرمی نے مار ڈالا۔

۵۔ پولینڈ کے ۲۰ لاکھ باشندوں، ۲۰ لاکھ سے زائد روسیوں، اور یوکرائنوں، تقریباً دس لاکھ جرمنوں، اندازاً ۲ لاکھ ۵۰ ہزار اہل ہنگری، ۲ لاکھ افراد کو لتھوانیا اور لاتویا اور ایستونیا سے ترک وطن کرنا پڑا۔

۶۔ نازیوں نے بیسویں صدی میں یورپ اور امریکا کے دماغی طور پر معذور افراد کے اتلاف اور

منحرفین کے حیاتیاتی انضمام کا دائرہ قتل و غارت پر مبنی تطہیر تک وسیع کر دیا۔ جنگ سے قبل ہی لوگوں کی حیاتیاتی خالصیت کو بچانے کی خاطر ۷۰ ہزار دماغی مریضوں کو مار ڈالا گیا۔ اس کے بعد نیم فوجی قائدین نے نسل کشی کی رہنمائی کا بیڑہ اٹھایا تقریباً ۲ لاکھ مریضوں کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔ اس کارروائی کا جال اتنا پھیلا کہ اس میں پولینڈ، روس اور فرانس کے مریض بھی شامل کر لیے گئے۔

۷۔ آریائی نو آبادیاتی بنانے والوں کے لیے زمین حاصل کرنے کی غرض سے پولینڈ کے ۲۰ لاکھ باشندے قتل کر دیئے گئے۔

۸۔ یورپ میں آباد یہودیوں کا تین چوتھائی یعنی ۶۰ لاکھ کے قریب قتل کر دیئے گئے۔ اگرچہ ۷۰ لاکھ غیر یہودی سوویت شہری، ۳۰ لاکھ سوویت جنگی قیدیوں کا قتل بھی سیاسی تطہیر کا حصہ تھا۔

۹۔ اوستاچے Ustache نے اپنی سرزمین سے سربوں کو نکال باہر کیا جس سے ۴ لاکھ افراد کو قتل کیا۔

۱۰۔ سوشلزم کے مخالفین کا صفایا لاکھوں میں ہو گیا۔

۱۱۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد دو جرمن مملکتوں کے مشرق اور آسٹریا میں آباد ایک کروڑ ستر لاکھ جرمن باشندوں میں سے (سوویت یونین میں رہائش پذیر ۲۰ لاکھ جرمن اس تعداد کے علاوہ تھے) ۱۱ لاکھ جنگ کی نذر ہوئے۔

۱۲۔ تقریباً ایک لاکھ کروشیائی باشندوں کو جب وہ ہتھیار ڈال چکے تھے سربوں نے قتل کر دیا اور ایک لاکھ ۵۰ ہزار ترک باشندوں کو بلغاریہ سے نکال دیا گیا۔

دائرۃ المعارف Wikipedia: نسل کشی کے قدیم و جدید اعداد و شمار

Biblical Genocide:

بائبل کے اندر مختلف Genocide واقعات کا تذکرہ ہے جن کی صحت ذاتی رائے پر مبنی ہے ان میں چند یہ ہیں:

☆ مصریوں کے ہاتھوں اسرائیل کی غلامی اور یہودیوں کا قتل۔

☆ کنعانی Canaanite افراد اور Moses اور Joshua کے درمیان جنگ۔

ایران میں سکندر اعظم کی نسل کشی:

مقدونیہ کا جنرل سکندر اعظم اور اس کی فوج نے ایران کے دارالحکومت میں ۶۰ ہزار افراد کو قتل کیا۔ اس نے تقریباً تمام باشندوں کو ذبح کیا اور مقامات کو نذر آتش کیا۔

رومۃ الکبریٰ

رومن امپائر کے ہاتھوں نسل کشی کے مندرجہ ذیل واقعات بیان کیے گئے ہیں:

☆ Helvetti کے خلاف Caesais جنگ میں ۶۰ فیصد قبیلے مار دیئے گئے، ۲۰ فیصد غلامی میں لے لیے گئے۔

☆ Carthage: شہر مکمل طور پر تباہ کر دیا گیا۔

☆ یروشلم: شہر جلا دیا گیا اور شہریوں کو غلام بنا لیا گیا۔

فرانس:

Albegensian Crusade (۱۲۰۹۔۱۲۲۹ء) کو Genocide تصور کیا جا سکتا ہے۔ یہ Cathar افراد کے خلاف تھا۔ اس میں Inquisition اور فوج کا استعمال ہوا۔

Vendee کی جنگیں: اس میں عورتیں اور بچے ہلاک ہوئے۔

امریکہ:

بعض اوقات منظم اور بعض اوقات غیر منظم طویل قتل عام وجود میں آیا۔ یورپیوں کے ہاتھوں شمالی اور جنوبی امریکا کے باشندوں کا قتل عام تاریخ کا سب سے طویل قتل عام ہے۔ بعض اعداد و شمار کے مطابق امریکا اور کینیڈا سے پہلے کے مقامی باشندوں کی تعداد ۱۸ لاکھ سے زائد تھی۔ اگلی چار صدیوں میں ان کی تعداد دو لاکھ ۳۷ ہزار رہ گئی اور اکثر مقامی باشندے ختم ہو گئے۔ میکسیکو کی آبادی ۳ کروڑ سے ۲۰ لاکھ تک رہ گئی۔

کرسٹوفر کولمبس کی امریکا آمد کے بعد مقامی آبادی کم سے کم تر ہوتی گئی۔

کینیڈا:

Beothuk عوام جو نیوفاؤنڈ لینڈ کی سب سے قدیم آبادی ہے یورپی نو آبادیوں کے جھگڑوں کے نتیجے میں ختم ہو چکی ہے۔

گوئٹے مالا:

خانہ جنگی کے دوران سرخ ہندیوں کی ایک بڑی تعداد قتل ہوگئی۔ تقریباً ۵۷ ہزار ۶ سو مایا (Maya) آبادی کو ختم کر دیا گیا۔

کانگو:

بادشاہ لیوپولڈ دوم کے زمانے میں کانگو کی آزاد ریاست کو بہت ساری جانوں کے ضیاع کا سامنا کرنا

پڑا جو کہ مقامی آبادی کے ساتھ ربر کی پیداوار کے تنازعے کی وجہ سے ہوا۔

لیو پولڈ دوم (بلجیئم کے) کی شہرت ایک ظالم تباہ کن خود قائم کردہ آزاد حکومت کے طور پر تھی اس کی قائم کردہ Free State خود بلجیم سے جغرافیائی طور پر ۶۷ گنا بڑی تھی۔ ۱۸۸۰ء اور ۱۹۲۰ء کے دوران کانگو کی آبادی نصف ہوگئی۔ ۱۰ ملین سے زائد مقامی آبادی کو بورژوا طبقے کی وجہ سے بھوک، قتل اور بیماریوں کا سامنا کرنا پڑا۔

آسٹریلیا:

آسٹریلیا کی قدیم آبادی کو قفقازی (Caucasian) نسل کے لوگوں کے نفوذ کی وجہ سے کمی کا سامنا کرنا پڑا۔ ان کی آبادی کو بہت سے نئے آبادکاروں کی وجہ سے بیماریوں کا سامنا کرنا پڑا، جس سے وہ موت کا شکار ہوئے۔

قدیم آبادی کے بچوں کو ان کے گھروں سے نکالنے کے آسٹریلوی حکومت کے عمل کو Genocide قرار دیا گیا۔ جب کہ تسمانیہ میں جو نسلی طور پر مختلف، قدیم آبادی موجود تھی انیسویں صدی میں ختم ہوگئی۔

جرمن، شمال مغربی افریقہ:

جرمنی نے افریقہ کے Herero اور Nama قبائل کے افراد کا قتل عام کیا جس کو Genocide کی ابتدائی واقعات کے ضمن میں بیان کیا جائے گا۔ مجموعی طور پر ۶۵۰۰۰ ہریرو، کل ہریرو باشندوں کا ۳۰ فیصد) قتل کیے گئے اور ۱۰۰۰۰ ناما قتل کیے گئے۔ یہ Genocide قحط اور کنوؤں میں زہر ملانے کے ذریعے کیا گیا۔

ترکی:

عثمانیہ سلطنت نے ۶ لاکھ سے ۱۵ لاکھ آرمینیائی باشندے قتل کیے۔ ترکی حکومت سرکاری طور پر اس کی تردید کرتی ہے۔ ۳ سے ۶ لاکھ یونانی Pontian عثمانیہ سلطنت میں مارے گئے۔

جرمن نازی نسل کشی:

ہولوکاسٹ میں تقریباً ایک کروڑ ۱۰ لاکھ افراد قتل ہوئے جن میں ۶۰ لاکھ یورپی اور یہودی تھے۔ جن میں سے ۳۰ لاکھ پولش اور یہودی تھے۔

اس Genocide میں ۵۷ لاکھ روسی شہری اور ۳۲ لاکھ جنگی قیدی ہلاک ہوئے۔

دوسری جنگ عظیم میں جاپانی نسل کشی:

بعض لوگوں کے دعویٰ کے مطابق ۳ لاکھ افراد مارے گئے۔ اس قتل عام میں چینی آبادی کو نشانہ بنایا گیا۔

کیمیائی جنگ کے دوران ۳۰ ہزار افراد مارے گئے۔

۱۹۴۲ء میں نسلی چینی سنگاپور میں منظم طور پر قتل کیے گئے اس قتل عام کی تعداد ۵ ہزار اور ۱۰ ہزار تک تھی۔

مجموعی طور پر ۲ کروڑ چینی، ۹۰ لاکھ کوریائی، ۲۰ لاکھ تائیوانی اور بڑی تعداد میں جنوب مشرقی ایشیائی شہری دوسری جنگ عظیم میں قتل کیے گئے۔

کمبوڈیا:

۱۹۷۵ سے ۱۹۷۹ء کے دوران ۱۷ لاکھ کمبوڈیائی باشندے ہلاک ہو گئے۔

سوڈان:

۲۱/اکتوبر ۲۰۰۲ء کو امریکی حکومت نے سوڈان پر ۲۰ لاکھ شہریوں کو ۱۹۸۳ء سے جاری شہری جنگ کے دوران ہلاک کرنے کا الزام لگایا۔ ۲۰۰۴ء میں یہ بات بالعموم مشہور ہوئی Janjaweed Militia (خانہ بدوش عرب گلہ بان جن کو سوڈانی حکومت کی پشت پناہی حاصل تھی) نے مہم شروع کی اور ۸۰ سیاہ فام افریقی گروپوں کو دارفر کے علاقے سے نکال دیا۔

ویتنام:

ویتنام جنگ کے اختتام کے بعد یعنی امریکا کے انخلاء کے بعد ویتنامی حکومت نے ایسے لوگوں کے خلاف آپریشن شروع کیا جنھوں نے امریکیوں کی مدد کی تھی۔

برطانوی جنرل ڈائر:

جنرل ڈائر نے ۱۳/اپریل ۱۹۱۹ء میں دس ہزار مردوں، عورتوں اور بچوں کے جو جلیانوالہ باغ میں جمع تھے اور عوامی اجتماعات پر پابندی کے باوجود احتجاج کر رہے تھے، وارننگ کا ایک لفظ کہے بغیر ۵۰ فوجیوں کو حکم دیا کہ وہ اجتماع پر فائرنگ کر دے، ۱۰ سے ۱۵ منٹ کے دوران ۱۶۵۰ راؤنڈ مجمع پر پھینک دیئے گئے تقریباً ۴۰۰ شہری ہلاک ہوئے اور ۱۲۰۰ زخمی چھوڑ دیئے گئے جن کو طبی امداد نہیں دی گئی۔

انڈین نیشنل کانگریس کی سکھوں کے خلاف نسل کشی:

۱۹۸۴ء میں ۴ ہزار سکھ مردوں، عورتوں اور بچوں کو ہندوؤں نے ہلاک کر دیا۔ صرف دہلی میں ۲۷۳۳ سکھوں کو زندہ جلا دیا گیا اور قتل اور تشدد کا نشانہ بنایا گیا۔

جموں اور کشمیر:

سرکاری اعداد و شمار کے مطابق جموں و کشمیر میں دس ہزار ہندو شہری ہلاک ہوئے اور نصف ملین ہندو شہریوں کو ریاست سے باہر بھیج دیا گیا۔ [مسلمان مقتولین کی فہرست نہیں دی گئی ہے]

عراق:

ایرانی کرد شہریوں کو صدام حسین کی حکومت نے ہلاک کیا۔ کردوں کے علاقے حلبچہ پر کیمیائی ہتھیاروں سے ۸۶۔۱۹۸۸ء میں حملہ کیا گیا۔

انسائیکلوپیڈیا Wikipedia میں نسل کشی کے ضمن میں مندرجہ ذیل اعداد و شمار درج ہیں یہ معلومات انسائیکلوپیڈیا کی ویب سائٹ http://en.wikipedia.org/wiki/ genocide-in-history سے لیے گئے ہیں۔

دائرۃ المعارف انکارٹا: مہذب دنیا میں نسل کشی کے اعداد و شمار

انسائیکلوپیڈیا انکارٹا Encyclopedia Encarta میں نسل کشی سے متعلق اعداد و شمار درج ذیل ہیں، ان اعداد و شمار میں اور رومیل کی کتاب کے بیان کردہ اعداد و شمار میں فرق دیکھا جا سکتا ہے خصوصاً ترکوں کے ہاتھوں مقتولین کی تعداد رومیل کے مطابق ۳۰ لاکھ سے زائد ہے جب کہ انکارٹا کے اعداد و شمار میں یہ تعداد ۸ سے ۱۸ لاکھ ہے۔

☆ ۵۶ سے ۵۹ لاکھ یہودی اور لاکھوں دوسری جنگ عظیم دوم کی نسل کشی (Genocide) میں قتل کیے گئے۔

☆ اٹھارہویں اور انیسویں صدی میں اقوام عالم نے اس بات کا فیصلہ کیا کہ جنگوں میں عام شہریوں کو قتل نہ کیا جائے۔

☆ بیسویں صدی میں بڑے پیمانے پر قتل عام Mass Killing قومی حکمتِ عملیوں کا حصہ بن گیا۔

☆ ۱۹۱۴۔۱۹۱۸ء میں سلطنت عثمانیہ نے جنگ عظیم اول کے دوران دس سے اٹھارہ لاکھ آرمینیائی باشندوں کو بے دخل کیا۔

☆ جنگ عظیم دوم میں ۵۰ سے ۶۰ لاکھ یہودی اور کئی لاکھ دوسرے افراد کو جرمنی کے لیے ناقابل برداشت قرار دیا گیا۔

☆ ہر تین یہودیوں میں سے دو یہودی جرمنی کے زیر تسلط علاقے میں قتل کیے گئے۔ روسی جنگی قیدیوں کی نصف اور مشرقی یورپ کے ۱۰ سے ۲۰ فی صد افراد قتل کیے گئے۔

☆ سابق یوگوسلاویہ کی کروٹ حکومت دو لاکھ سے تین لاکھ چالیس ہزار سرب شہریوں کی قاتل ہے۔

☆ دوسری جنگ عظیم کے اختتام تک ۱۱۶ اقوام نے نسل کشی کی کوشش یا نسل کشی کا ارتکاب کیا ان اقوام کا تعلق ایشیا، افریقہ، یورپ اور امریکا سے ہے۔

☆ ۱۹۷۵ء میں انڈونیشیا نے مشرقی تیمور پر قبضہ کیا جس کے نتیجے میں ۲ لاکھ اموات ہوئیں جو کل آبادی

کا ایک تہائی تھا۔

☆ گوئٹے مالا کی خانہ جنگی کے دور میں (۶۰۔۱۹۹۶ء) دو لاکھ افراد گوئٹے مالا حکومت کے عسکری بازو کے ہاتھوں قتل ہوئے۔

☆ روانڈا میں ۱۹۹۴ء میں ۵ سے ۱۰ لاکھ افراد قتل ہوئے۔ ان میں سے بیشتر Tutsi گروپ سے تعلق رکھنے والے تھے۔

☆ ۱۹۹۱ء تک سابق یوگوسلاویہ میں ہزاروں بوسنیائی مسلمانوں کا قتل عام ہوا۔

☆ ۱۹۷۵ء تک Khmer Rouge نامی کمیونسٹ تحریک جس کی سربراہی پول پوت Pol Pot کے ہاتھوں تھی، نے ۱۷ لاکھ کمبوڈیائی باشندوں کا قتل عام کیا۔

☆ ۱۹۶۹ء میں امریکا نے خفیہ B52 بمباری کی تا کہ نیشنل لبریشن فرنٹ اور شمالی ویتنامیوں کا قبضہ کمزور کیا جا سکے۔ امریکا نے چار لاکھ نوے ہزار میٹرک ٹن (پانچ لاکھ چالیس ہزار ٹن) وزنی بم اگست ۱۹۷۳ء میں برسائے۔ ۱۷ اپریل ۱۹۷۵ء میں جب بمباری ختم ہوئی تو Khmer Rouge کی فوج کو شکست ہوئی۔ تقریباً سترہ لاکھ کمبوڈیائی باشندے قتل ہوئے۔ Khmer Rouge کی حکومت کے بعد تقریباً ۴ لاکھ ۲۵ ہزار چینی کمبوڈیائی میں سے نصف آبادی باقی بچی۔ جب کہ چار لاکھ پچاس ہزار چینی کمبوڈیائی باشندوں میں سے اکثر کو ملک سے بے دخل کر دیا گیا۔ ان میں سے اکثر کو Khmer Rouge نے نکال دیا باقی قتل کر دیئے گئے۔ دو لاکھ پچاس ہزار مسلمان میں سے نوے ہزار قتل کر دیئے گئے باقی کو نکال باہر کیا گیا۔

آرمینیائی قتل:

سلطنت عثمانیہ میں رہنے والے آرمینیائی باشندوں کے اکثر قتل ۱۹۱۳ء میں جنگ عظیم اول کے موقع پر ہوئے۔ ۱۰ لاکھ سے زائد آرمینیائی ختم کر دیے گئے۔ آرمینیائی Genocide جنگ عظیم اول کے پردے میں کیا گیا۔ جنگ عظیم سے قبل آرمینیائی باشندوں کی آبادی ۱۸ لاکھ تھی۔ جنگ کے بعد ۱۹۱۹ء میں انکشاف ہوا کہ آٹھ لاکھ باشندے قتل کیے جا چکے ہیں۔ بچ جانے والوں نے فرار کی راہ اختیار کی۔ جن میں دو لاکھ پچاس ہزار قفقاز کی طرف بھاگے جو اب آرمینیا کہلاتا ہے اور کچھ جارجیا کی طرف۔

روانڈ:

اپریل ۱۹۹۴ء میں صدر Habyaremana اور برونڈای کے صدر Cyprien قتل کر دیئے گئے۔ Habyaremana کی موت نے لسانی فسادات کو فروغ دیا۔

اگلے چند ماہ میں یہ اندازہ لگایا گیا کہ پانچ سے دس لاکھ روانڈا کے باشندوں میں جن میں اکثر Tutsi قبیلے کی تھی قتل کردی گئی۔ وسط جولائی میں بارہ لاکھ روانڈا کی آبادی زائر کی طرف ہجرت کر گئی۔

ابتدائی اگست میں جنگ سے قبل روانڈا کی چوتھائی آبادی یا تو قتل ہوگئی یا ملک سے فرار ہوگئی۔

Holocaust:

یورپ میں یہودیوں کا مکمل صفایا۔ جیسا کہ جنگ عظیم دوم کے بعد نازی فوجیوں نے یورپ کے اکثر ممالک کو فتح کر لیا تھا۔ لاکھوں یہودی قتل کیے گئے، قید کیے گئے، اذیتی کیمپوں میں رکھے گئے جہاں وہ مار دیئے گئے یا بھوک اور بیماری سے ہلاک ہوئے۔ جنگ کے بعد ۵۶ لاکھ سے ۵۹ لاکھ یہودی مرد، عورتیں قتل ہوئے۔

شمال مغربی افریقہ Herero قتل عام (نمیبیا):

۱۹۸۳ء میں اقوام متحدہ کی رپورٹ کے مطابق جرمنوں نے شمالی مغربی افریقہ کی Herero اور Nama آبادی کو بے دخل کرنے کی کوشش کی جو کہ بیسویں صدی کے (Genocide) نسل کشی کی ابتدائی کوشش تھی۔ مجموعی طور پر ۶۵ ہزار ہریرو (کل آبادی کا ۸۰ فی صد) اور دس ہزار ناما (کل ناما آبادی کا ۵۰ فیصد) قتل یا ہلاک ہوگئے۔

۱۹۰۴ء میں جنرل لوتھروان ٹروتھا Lother Von Trotha کو دس ہزار رضا کاروں کے ساتھ بغاوت کو کسی بھی طریقے سے کچلنے کے لیے بھیجا گیا۔ اس نے ایک حکم نامہ جاری کیا۔

''میں جرمنوں کا عظیم جنرل اس خط کے ذریعے ہریرو کے عوام سے مخاطب ہوں۔ جرمنی کی سرحدوں میں کوئی ہریرو باشندہ اگر پایا گیا خواہ مسلح ہو یا غیر مسلح، اسے گولی مار دی جائے گی، میں کسی بھی بچے یا عورت کو برداشت نہیں کروں گا''۔

جرمنی نے اسی ہزار ہریرو باشندوں کو قتل کر دیا۔ اکثر کنوؤں میں لٹکا کر مار ڈالے گئے۔

[یہ اعداد و شمار انسائیکلو پیڈیا کی سی ڈی ۲۰۰۴ سے لیے گئے ہیں۔]

رائٹر: جنگ عظیم دوم، مقتولین کے اعداد و شمار

دوسری جنگ عظیم انسانی جانوں کے حوالے سے مہنگی ترین جنگ تھی۔ جس کے دوران پانچ کروڑ انسانی جانوں کا ضیاع ہوا۔ ان میں عام شہری اور فوجی بھی شامل تھے۔ علاوہ ازیں اس میں چھ لاکھ یہودی بھی شامل ہیں جو ہولو کاسٹ کے نتیجے میں ہلاک ہوئے۔ اے ایف پی کی ۸ مئی کو جاری کی گئی خبر کے مطابق الجزائر کے عوام نے ۸ مئی ۱۹۴۵ء کو قتل ہونے والے الجزائری باشندوں کے لیے یوم سوگ منایا۔ الجزائری عوام کے مطابق فرانس

کے ہاتھوں ۸رمئی کو ۴۵۰۰۰ ہزار افراد قتل ہوئے، جبکہ یورپی محققین کے مطابق ہلاک ہونے والوں کی تعداد ۱۵ سے ۲۰ ہزار تھی۔ تمام اقوام کے اتفاق کے بعد تشکیل دیے جانے والے اعداد وشمار کے مطابق دوسری جنگ عظیم میں مختلف ممالک میں پر ہونے والی ہلاکتوں کی تفصیل رائٹرز نیوز ایجنسی نے مورخہ ۸ مئی کو جاری کی۔

نام ملک	فوجی	شہری	کل اموات
روس	۱ کروڑ ۳۶ لاکھ	۷۷ لاکھ	۲ کروڑ ۱۳ لاکھ
جرمنی	۳۲ لاکھ ۵۰ ہزار	۳۸ لاکھ ۱۰ ہزار	۷۰ لاکھ ۶۰ ہزار
جاپان	۱۵ لاکھ ۶ ہزار	۳ لاکھ	۱۸ لاکھ ۶ ہزار
چین	۱۳ لاکھ ۲۴ ہزار	۱ کروڑ	۱ کروڑ ۱۳ لاکھ ۲۴ ہزار
پولینڈ	۸ لاکھ ۵۰ ہزار	۶۰ لاکھ	۶۸ لاکھ ۵۰ ہزار
رومانیہ	۵ لاکھ ۲۰ ہزار	۴ لاکھ ۵۶ ہزار	۹ لاکھ ۸۵ ہزار
ہنگری	-----	------	۷ لاکھ ۵۰ ہزار
آسٹریا	۳ لاکھ ۸۰ ہزار	۱ لاکھ ۴۵ ہزار	۵ لاکھ ۵۲ ہزار
فرانس	۳ لاکھ ۴۰ ہزار	۴ لاکھ ۶۵ ہزار	۸ لاکھ ۱۰ ہزار
یونان	------	-------	۵ لاکھ ۲۰ ہزار
اٹلی	۳ لاکھ ۳۰ ہزار	۸۰ ہزار	۴ لاکھ ۱۰ ہزار
چیکوسلواکیہ	------	-------	۴ لاکھ
برطانیہ	۳ لاکھ ۲۶ ہزار	۶۲ ہزار	۳ لاکھ ۸۸ ہزار
یوگوسلاویہ	۳ لاکھ	۱۴ لاکھ	۱۷ لاکھ
ریاست ہائے متحدہ امریکہ	۲ لاکھ ۹۵ ہزار	---	۲ لاکھ ۹۵ ہزار
فن لینڈ	۷۹ ہزار	---	۷۹ ہزار
کینیڈا	۳۹ ہزار	---	۳۹ ہزار
انڈیا	۳۶ ہزار	---	۳۶ ہزار

آسٹریلیا	۲۹ہزار	---	۲۹ہزار
فلپائن	۲۷ہزار	۹۱ہزار	۱لاکھ۱۸ہزار
بلغاریہ	۱۹ہزار	۲ہزار	۲۱ہزار
نیوزی لینڈ	۱۲ہزار	---	۱۲ہزار
ہالینڈ	۱۴ہزار	۲لاکھ۳۶ہزار	۲لاکھ۵۰ہزار
بیلجیئم	۱۰ہزار	۷۵ہزار	۸۵ہزار
شمالی افریقہ	۹ہزار	---	۹ہزار
ناروے	۵ہزار	---	۵ہزار
ڈینمارک	۴ہزار	---	۴ہزار
کل اموات (رائٹرز کے مطابق)	۲کروڑ۳۶لاکھ۳۰ہزار	۳کروڑ۸۳لاکھ۳۶ہزار	۵کروڑ۴۸لاکھ۸۰ہزار

[۹مئی کے تمام انگریزی اخبارات نے اس خبر کو شائع کیا]

ویب سائٹس کے اعداد و شمار: ایک نظر میں

ویب سائٹس پر Genocide کے حوالے سے اعداد و شمار عموماً مجموعی طور پر علاقوں کے حوالے سے دیے گئے۔ مثلاً روانڈا، کمبوڈیا، نازی، ہولوکاسٹ (نازیوں کے ہاتھوں یہودیوں کا قتل عام) Khmer Rouge نمیبیا، جرمن، جنوب مغربی افریقہ کے حوالے سے اعداد و شمار دیے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں کہیں کہیں مذاہب کا تذکرہ یا ان کے قتل عام کا ذکر بھی کیا جاتا ہے۔ سب سے زیادہ مظلوم یہودی مذہب کو دکھایا جاتا ہے سب سے ظالم عیسائی مذہب کو ثابت کیا جاتا ہے اور سب سے کم الزامات اسلام پر لگائے جاتے ہیں اور اسے نسبتاً روادار مذہب تسلیم کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں کے ہاتھوں قتل عام میں بنیادی طور پر سلطنت عثمانیہ کا تذکرہ نظر آتا ہے۔ اس سے پہلے مسلمانوں کی تاریخ کے بارے میں تمام ویب سائٹس خاموش ہیں۔

چند Websites نے بنگلہ دیش اور تقسیم ہند کے وقت ہونے والے قتل عام کو Genocide کے زمرے میں رکھا ہے۔

Wikipedia نے جموں اور کشمیر کا تذکرہ کیا ہے جس کے مطابق ایک لاکھ ہندو شہریوں کو اسلامی دہشت گردوں نے قتل کیا۔ لیکن کٹر پنتھی ہندو حکومت کی دہشت انگیز کارروائیوں کا ذکر نہیں ہے۔

اسلام کے حوالے سے اسلام کا لفظ ضمنی تفصیل میں نظر آتا ہے۔ مذاہب کے مظالم میں اسلام کا تذکرہ نہیں ملتا۔

R.J. Rummel نے درمیانے درجے کے قتل عام (lesser kilomurder) میں پاکستان (یحییٰ خان)، ترکی (اتاترک) اور سلطنت عثمانیہ کا تذکرہ کیا ہے۔

ویب سائٹس اور دوسرے ذرائع امریکہ کو کس طرح دکھاتے ہیں؟

امریکہ کے ہاتھوں سرخ ہندیوں پر ہونے والے بدترین قتل عام کا تذکرہ نہیں کیا جاتا البتہ ضمنی تذکروں میں ہلکا سا تذکرہ کیا جاتا ہے۔ صرف رومیل اور مائیکل مین امریکی قتل عام کو اختصار سے بیان کرتے ہیں اس کے برعکس نازی اور ترکی قتل عام کو بہت تفصیل سے بتاتے ہیں جب کہ دونوں کے مقتولین کی تعداد سرخ ہندیوں کی تعداد سے بہت کم ہے۔ ویت نام میں امریکی قتل عام کی تفصیلات عنقا ہیں لیکن وہاں سے امریکہ کے نکلنے کے بعد ہونے والے مظالم بالخصوص Khmer Rouge کے مظالم کو تفصیل سے بیان کیا گیا ہے۔ خاص طور پر ویب سائٹس نازی، روانڈا، کمبوڈیا، ہولوکاسٹ وغیرہ کا باقاعدہ حال بتا کر قتل عام کا اجمالی جائزہ پیش کرتی ہیں۔ اسی طرح امریکیوں کے ہاتھوں ہونے والے قدیم و جدید ہولناک قتل عام کا کوئی تذکرہ موجود نہیں ہے۔ ہزاروں ویب سائٹس امریکیوں کے ہاتھوں سرخ ہندیوں اور اس کے بعد بیسویں صدی کے قتل عام سے متعلق خاموش ہیں یا بہت ہلکے پھلکے انداز سے اعداد و شمار دیئے جاتے ہیں جیسے کچھ ہوا ہی نہیں۔

آر جے رمیل نے امریکہ کی جرمنی اور جاپان پر بمباری کو اپنی Megamurder، Kilo murder کے بجائے اسے lesser kilomurder کی فہرست میں بیان کیا ہے جو کہ محض سینکڑوں مقتولین کی نمائندگی کرتا ہے۔

Wikipedi.com پر امریکہ میں ریڈ انڈین کے قتل عام کا تذکرہ ہے مگر یہ تذکرہ محض آبادی کے تنزل کو بیان کرتا ہے۔ مظالم کی پردہ پوشی کرتا ہے۔

ویب سائٹس عیسائیوں کے غیر مذاہب پر ظلم و ستم کو بیان کرتی ہیں

۱۰۹۹ء اور وسطی دور میں عیسائی جنگجوؤں کے ہاتھوں مسلمانوں اور یہودیوں کے قتل عام کا تذکرہ اسی طرح ملتا ہے جس طرح سلطنت عثمانیہ کے قتل عام کا ملتا ہے۔ اس کے علاوہ اسی انداز میں Albigensian Crusaders کا تذکرہ موجود ہے۔

امریکہ، برطانیہ، جرمنی، بلجیم، پرتگال اور فرانس کی نوآبادیوں میں مظالم کی تفصیلات کمیاب ہیں۔

ویب سائٹس میں موجود مظالم میں نمایاں ترین نازی، روانڈا اور ہولوکاسٹ ہے۔

امریکہ: پٹریاٹ ایکٹ تہذیب کی علامت

گیارہ ستمبر ۲۰۰۲ء کے واقعے کے بعد امریکہ نے پٹریاٹ ایکٹ متعارف کرایا جس کے تحت ایف بی آئی کو اس بات کا مکمل اختیار دیا گیا کہ وہ مختلف کتب خانوں سے استفادہ کرنے والے قارئین کے رجحانات، مطالعہ کا جائزہ لے کر ان کے ذہن کو پڑھ کر ان کے مستقبل کے منصوبوں کا اندازہ کر سکے اور اس ضمن میں ان کی گرفتاری تفتیش وغیرہ کی قانونی اجازت ایجنٹوں کو حاصل ہو، کتابوں کی دکانوں پر آنے والے خریداروں کے بل دیکھ کر ایف آئی اے کو یہ اندازہ لگانے کا اختیار دیا گیا کہ قارئین کس قسم کی کتابیں خرید رہے ہیں اور ان کا رجحان کیا ہے کیونکہ Readers are leaders لہٰذا اس بات کی تحقیق ضروری ہے کہ مستقبل میں رہنما بننے والوں کی عادات مطالعہ کیا ہیں؟ کس قسم کی چیزیں پڑھی جا رہی ہیں اس کے نتیجے میں کس قسم کا ذہن تیار ہوگا اور اس ذہن کے ذریعے کہاں کہاں کب کب کس قسم کی دہشت گردی جنم لے گی۔ لہٰذا دہشت گردی کے خاتمے کا پہلا مرحلہ یہ ہے کہ لوگوں کو سب کچھ پڑھنے سے روک دیا ہے اور انھیں وہی پڑھایا جائے جو امریکی ریاست کے خیال میں پڑھنا چاہیے کیوں کہ آوارہ خوانی کی عادت، غیر ذمہ دارانہ مطالعہ اور ہر قسم کی کتابیں پڑھنے سے ایک فرد مجرمانہ ذہنیت کا اسیر بن جاتا ہے اور دہشت گردی میں مبتلا ہو کر رہتا ہے۔ یہ پہلا مرحلہ ہے کہ لوگ کیا پڑھ رہے ہیں؟ دوسرا مرحلہ یہ ہوگا کہ لوگ کیا لکھ رہے ہیں؟ کیوں لکھ رہے ہیں؟ کس کے لیے لکھ رہے ہیں؟ مقاصد کیا ہیں اس لکھنے کے، نتیجے میں کیسا ذہن پیدا ہو سکتا ہے لہٰذا لکھنے والوں کو بھی امریکی ریاست کے متعین خطوط کے مطابق لکھنے کا کام کرنا چاہیے۔

امریکی تعلیمی اداروں میں آزادی فکر کی صورت حال کیا ہے؟ آزادی اظہار رائے کے دعوے کس حال میں ہیں؟ اس کی تفصیلات بشارہ دومانی استاد تاریخ مشرق وسطی دانش گاہ کیلی فورنیا برکلے نے اپنے مضمون میں بیان کی ہے جو ویب سائٹ bdoumani@barkeley.edu پر دستیاب ہے۔ یہ تفصیلات نہایت ہولناک ہیں۔

[آپ کو کوئی کتاب خریدنی یا لائبریری سے جاری کروانی ہے تو ذرا سوچ سمجھ کر کروایئے۔ ڈیپارٹمنٹ آف ہوم لینڈ سیکوریٹی، آرویلین نیمڈ پٹیریاٹ ایکٹ کے تحت آپ کی نگرانی کر سکتا ہے۔ اس قانون کی ایک اور شق کے مطابق اس بات کا بھی خطرہ موجود ہے کہ اگر کوئی شخص آپ کو خبردار کرے کہ حکومت آپ کے کتابوں کے انتخاب کی نگرانی کر رہی ہے تو اس پر فوجداری مقدمہ چلایا جا سکتا ہے۔

کلاس روم میں مطالعے کے لیے مواد تجویز کرتے وقت بھی احتیاط کیجیے۔ چیپل ہل کی یونیورسٹی آف نارتھ کیرولائنا پر امریکن فیملی ایسوسی ایشن سنٹر فار لا اینڈ پالیسی نے اس بنیاد پر مقدمہ دائر کر دیا تھا کہ اس میں نئے

آنے والے طلبہ کے سامنے اسلام کا مختصر تعارف کرانے کی اسائنمنٹ دی گئی تھی۔ خوش قسمتی سے یونیورسٹی اپنے موقف پر سختی سے قائم رہی اور کورٹ آف اپیلز نے مقامی سیاست دانوں اور یونیورسٹی کے بعض ٹرسٹیز کے زائد حملوں کے باوجود مقدمہ خارج کر دیا۔

اس ضمن میں بھی محتاط رہیے کہ آپ اشاعت کے لیے کون سے مضامین قبول کر رہے ہیں۔ یو ایس ٹریژری ڈیپارٹمنٹ کے آفس آف فارن ایسٹس کنٹرول نے فروری ۲۰۰۴ء میں فیصلہ کیا کہ امریکی اشاعتی ادارے ان ممالک میں تصنیف کیے جانے والے کاموں کو ایڈٹ نہیں کر سکتے جن پر تجارتی پابندیاں عائد ہیں، جن میں ایران، عراق، سوڈان، لیبیا اور کیوبا شامل ہیں۔ خلاف ورزی کے نتیجے میں ایک ملین ڈالر تک جرمانہ اور دس سال تک قید کی سزا دی جاسکتی ہے۔

جو کچھ آپ پڑھا رہے ہیں، اس میں بھی احتیاط برتیے۔ خزاں ۲۰۰۳ء میں امریکی ایوان نمائندگان نے متفقہ طور پر قرارداد نمبر ۳۰۷۷ منظور کر کے مجلس مشاورت تشکیل دی جو دنیا کے مختلف خطوں کے مطالعہ کے لیے قائم مراکز کی نگرانی کرے گی تاکہ اس بات کو یقینی بنایا جاسکے کہ یہ مراکز ''قومی مفاد'' کو آگے بڑھا رہے ہیں۔ اگرچہ قانون کا اطلاق تمام ان مراکز پر ہوگا جن کو وفاقی ٹائٹل وی آئی پی پروگرام کے تحت امداد ملتی ہے، لیکن اس کا ہدف واضح طور پر ملک کے وہ سترہ مراکز ہیں جو مشرق وسطیٰ کے مطالعے کے لیے مخصوص ہیں۔ دی ایسوسی ایشن آف امریکن یونیورسٹی پروفیسرز، دی امریکن سول لبرٹیز یونین، دی مڈل ایسٹ اسٹڈیز ایسوسی ایشن اور بیشتر پیشہ ور تنظیموں نے حکومت کی جانب سے کلاس روم میں اس طرح کی مداخلت پر تشویش کا اظہار کیا ہے جس کی کوئی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ ان کے خدشات میں بورڈ کے لامحدود تفتیشی اختیارات، جواب دہی کا فقدان اور بورڈ کی ہیئت تشکیلی ہے، کیونکہ اس کے کچھ ارکان ملک کی حفاظت کی ذمہ دار دو ایجنسیوں سے لیے جائیں گے۔ اگر قرارداد نمبر ۳۰۷۷ کو امریکی سینٹ بھی پاس کر دیتی ہے تو حکومت کی طرف سے مقرر کردہ ایک تفتیشی باڈی کو اختیار حاصل ہو جائے گا کہ وہ کلاس روم کی نگرانی کرتے ہوئے یہ فیصلہ کرے کہ مثال کے طور پر کون سا لیکچر متنوع اور متوازن ہے اور کون سا نہیں۔ اس کے نتیجے میں پیشہ ورانہ تعلیمی معیار کا بالکل خاتمہ ہو جائے گا اور اس کی جگہ سیاسی معیار لے لے گا۔

اس کی بھی احتیاط کیجیے کہ آپ کلاس میں یا کیمپس کے باہر کیا کہہ رہے ہیں۔ امریکن کونسل آف ٹرسٹیز اینڈ ایملنی نے، جس کی بانی نائب صدر ڈک چینی کی اہلیہ لن چینی اور ڈیموکریٹک پارٹی کے سینٹر اور سابق نائب صدارتی امیدوار جوزف لائبرمین ہیں، ''تہذیب کا تحفظ: یونیورسٹیاں کیسے امریکہ کو نقصان پہنچا رہی ہیں اور اس سلسلے میں کیا کیا جاسکتا ہے؟'' کے عنوان کے تحت ایک رپورٹ جاری کی ہے جس میں یونیورسٹیوں پر الزام لگایا

گیا ہے کہ وہ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں کمزور کردار ادا کر رہی ہیں اور یہ کہ وہ دشمن کو فائدہ پہنچانے کا ذریعہ بن سکتی ہیں۔ تنظیم کی ویب سائٹ پر ۱۱۷ امریکہ مخالف پروفیسروں اور ان کے ایسے ناگوار ریمارکس کی فہرست شائع کی گئی ہے جو انھوں نے مبینہ طور پر دیے۔

اگر آپ فورڈ یا راک فیلر فاؤنڈیشن سے امداد کے لیے درخواست دینا چاہتے ہیں تو بھی احتیاط کیجیے۔ آپ سے نئے انداز سے بنائی گئی امدادی درخواستوں پر دستخط کے لیے کہا جائے گا جو آپ کو اور آپ کی تنظیم کو اس بات کا پابند کریں گی کہ اگر آپ فورڈ فاؤنڈیشن سے امداد لینا چاہتے تو آپ ''تشدد، دہشت گردی، تنگ نظری، یا کسی ملک کی تباہی'' میں ملوث نہ ہوں۔ جو لوگ فلسطین اسرائیل تنازع کے حوالے سے ۱۱ ستمبر سے بہت پہلے سے جاری عمومی مباحثے سے واقف ہیں، وہ فوراً سمجھ جائیں گے کہ اس نئی اصطلاح کا حقیقی مفہوم کیا ہے۔ ان کے لیے یہ بات ہرگز حیرانی کا باعث نہیں ہوگی کہ درخواستوں میں یہ تبدیلیاں اسرائیل کی حامی کئی یہودی تنظیموں کی تنقید کے باعث اور پھر ان کے مشورے سے کی گئی ہیں جو اس بات پر ناراض تھیں کہ انسانی حقوق کے کچھ گروپ جنھوں نے جنوبی افریقہ میں ڈربن کانفرنس کے موقع پر اسرائیل پر سخت تنقید کی تھی، انھیں فورڈ اور راک فیلر کی طرف سے امداد ملی ہے۔ اس اصلاح کی ایک مشکل یہ ہے کہ اس کی شرائط واضح اور متعین نہیں ہیں۔ کیا اگر کسی لیکچر میں کسی اسلام پسند تنظیم مثلاً حزب اللہ کے لبنان کے سیاسی نظام میں حصہ لینے کے حق کی حمایت کی جائے تو اس کو دہشت گردی کا فروغ قرار دیا جائے گا؟ کیا اگر کسی ریسرچ میں اسرائیل اور فلسطین پر مبنی دو قومی ریاست قائم کرنے کے حق میں دلائل دیے گئے ہوں تو اس پر اسرائیل کی تباہی کا پیغام پھیلانے کا الزام لگا دیا جائے گا؟ باوقار یونیورسٹیوں مثلاً ہارورڈ، ییل، پرنسٹن، مارنل، کولمبیا، اسٹین فورڈ، دی یونیورسٹی آف پنسلوینیا، میساچوسٹس انسٹی ٹیوٹ آف ٹیکنالوجی، اور دی یونیورسٹی آف شکاگو نے اس زبان پر اعتراض کیا ہے جس پر بعض معمولی تبدیلیاں کر دی گئی ہیں۔ تاہم یہ اتنی معمولی ہیں کہ ACLU نے، جو امریکہ میں شہری حقوق کی ایک بڑی تنظیم ہے، حال ہی میں فورڈ کی طرف سے ایک ملین ڈالر کی اور راک فیلر کی طرف سے ایک لاکھ پچاس ہزار ڈالر کی امداد مسترد کر دی ہے۔ ACLU کی پریس ریلیز میں کہا گیا کہ یہ ''ایک افسوس ناک دن ہے کہ اس ملک کے دو نہایت محبوب اور قابل احترام ادارے یہ محسوس کرتے ہیں کہ وہ خوف اور ہراس کی ایک ایسی فضا میں کام کر رہے ہیں جس میں وہ اپنے ہزاروں وصول کنندگان سے یہ مطالبہ کرنے پر مجبور ہو گئے ہیں کہ امداد حاصل کرنے کے لیے مبہم شرائط کو قبول کریں جس سے شہری آزادیوں پر سخت مضر اثرات مرتب ہوں گے''۔

اسرائیلی حکومت کی پالیسیوں پر تنقید کرتے ہوئے بھی محتاط رہیے۔ نجی طور پر مالی امداد سے چلنے والی تنظیموں کی طرف سے ''ٹیک بیک دی کیمپس'' مہموں میں ان طلبہ اور اساتذہ کو ہدف بنایا جا رہا ہے جن کا تعلیمی یا

ثقافتی طور پر مسلمانوں یا مشرق وسطیٰ کے ممالک سے تعلق ہے۔ ان میں سے کچھ تنظیمیں کھلے بندوں طلبہ کو اپنے اساتذہ اور ساتھی طلبہ کی مخبری کا کام سونپتی ہیں جن کو پھر سامی مخالف ہونے کے الزام میں نکال دیا جاتا ہے۔ یہ جنگ محض لفظوں تک محدود نہیں ہے، بہت سے پروفیسروں کو، جن پر جھوٹے الزامات عائد کیے گئے، خود ان کی اپنی یونیورسٹیوں اور میڈیا کی طرف سے تذلیل اور کردار کش تفتیشوں کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ بڑے بڑے چندہ دہندگان کو متحرک کر کے یونیورسٹی کے منتظمین، مثال کے طور پر ہارورڈ یونیورسٹی کے صدر، پر دباؤ ڈلوایا گیا ہے کہ وہ ایسے بیانات جاری کریں جن میں اسرائیلی پالیسیوں پر تنقید کو موثر طور پر سامیت دشمنی کے مترادف قرار دیا گیا ہو۔

اگر آپ امریکی شہری نہیں ہیں اور تدریس یا تعلیم کے لیے امریکا جا رہے ہیں تو بھی احتیاط کیجیے۔ اگر آپ امریکی پالیسیوں کے بارے میں ناقدانہ خیالات رکھتے ہیں تو آپ کا ویزا کینسل کیا جا سکتا ہے، جیسا کہ پروفیسر طارق رمضان کے کیس میں ہو چکا ہے۔ سیاسی پروفائلنگ (کسی شخص کے قومی، نسلی یا مذہبی پس منظر کی بنیاد پر بوقت ضرورت نئی پالیسیوں کے نفاذ) کی بناء پر غیر امریکیوں کے امریکہ میں پہلی مرتبہ یا دوبارہ داخلے میں رکاوٹیں پیدا کرنے سے تعلیمی پروگراموں میں خلل واقع ہوا ہے اور امریکہ میں غیر ملکی گریجویٹ طلبہ کی تعداد میں خاصی کمی واقع ہوئی ہے۔ جن طلبہ کو ویزا مل جاتا ہے ان کے تعلیمی اداروں سے تقاضا کیا جاتا ہے کہ وہ ان طلبہ کی نگرانی کریں اور سرکاری ایجنسیوں کو باقاعدہ رپورٹیں جمع کروائیں۔] بشاورہ دومانی نے پٹریاٹ ایکٹ کی جن خامیوں کی طرف توجہ دلائی ہے یہ خامیاں نہیں امریکی توسیع پسندی کا ایک رنگ ہے۔ طویل خاموشی کے بعد۔

پٹریاٹ ایکٹ کی اس شق کے خلاف امریکہ کے ایوان نمائندگان میں بہت تاخیر کے بعد جون ۲۰۰۵ء بل پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ ان کوششوں پر تبصرہ کرتے ہوئے صدر بش کے ترجمان نے ایسی تمام کوششوں کے خلاف ویٹو استعمال کرنے کا عندیہ دیا ہے۔ ڈان کے اسٹاف رپورٹر کے مطابق:

This week the Bush administration released a policy statement threatening a veto of the bill, and on Wednesday night a White House spokeswoman said it would continue to fight for all Patriot Act provisions. [DAWN June 18, 2005]

دنیا بھر میں امریکہ کی خفیہ جیلیں، پٹریاٹ ایکٹ اور Rights of USA Citizen Bill

جسے American Citizens Protection and War Criminal Prosecution Act of 2001 کہا جاتا ہے۔ امریکی تاریخ کی نفسیات کی تصویر کشی کرتے ہیں۔ توسیع پسندانہ عزائم کی یہ تاریخ محض اتفاقی تاریخ نہیں ہے۔ اس کی بنیادیں کولمبس کے ذریعے براعظم امریکہ کی دریافت سے لے کر دو

ہزارویں صدی تک امریکہ کے عروج کی تاریخ میں پیوست ہیں۔اس تاریخ کے دو رخ پیش کیے جا رہے ہیں۔

براعظم امریکہ: سرخ ہندیوں کی زبانوں کا قتل عام

سرخ ہندیوں پر مظالم اور قتلِ عام کی داستان ۱۵ویں صدی کے اختتام سے شروع ہو کر ۱۹ویں صدی تک جاتی ہے اس کی تفصیلات شروع میں پیش کر دی گئی ہیں ظلم کی یہ سیاہ رات انیسویں صدی کے آخر میں کچھ کم ہوئی جب امریکی حکومت نے بچے کھچے اصلی امریکی باشندوں کی تعلیم وصحت کے لیے اپنے وہ دروازے کھولے جو اس سے پہلے صرف اینگلو سیکسن (Anglo-Saxon) عوام یا گوری چمڑی والوں کے لیے مخصوص تھے۔مولانا ظفر علی خان بابائے صحافت نے غالباً یورپی آبادکاروں اور سفید فاموں کے انہی مظالم کی بنیاد پر زمیندار میں اپنے اداریوں اور تقریروں میں انھیں ''گوری چمڑے والے مہذب ڈاکو'' کہتے اور لکھتے تھے۔

سرخ ہندیوں کی زبانوں کا خاتمہ:

جب یورپی اقوام نے ۱۴۹۶ء میں امریکہ کی سرزمین پر قدم رکھا تو وہاں کی مقامی آبادی کو وحشی، جنگلی اور حقیر قرار دیا گیا چوں کہ ان کی زبان لکھی نہیں جاتی تھی جس کی وجہ سے ان زبانوں کو ختم کرنے میں امریکی استعمار کو زیادہ مشکلات کا سامنا نہیں کرنا پڑا۔تحریر سے محرومی کے باوجود یہ زبانیں صدیوں سے لوک کہانیوں، قصوں، نغموں اور لوریوں کے ذریعے سینہ بہ سینہ ایک نسل سے دوسری نسل میں منتقل ہوتی رہی تھیں اس طرح تصوراتی قصوں کے ذریعے ان تمام زبانوں کی انفرادیت اور خوبصورتی قائم تھی۔اگر کسی زبان کا قصہ گو اپنے علاقے اور اپنی زبان میں مشہور ہوتا تو اسے اس خوبصورت اندازِ بیان کی وجہ سے دوسرے قبائل میں بھیجا جاتا تاکہ وہ اُس خاص زبان کی دلکشی سے دوسری زبان والوں کو متاثر کرے۔لیکن ۱۴۹۶ء سے شروع ہونے والی اس بقا کی جنگ نے جس کا اختتام آج بھی نہیں ہوا ہے سرخ ہندیوں کی تمام زبانوں اور ان کی پوری تہذیب کو جلا کر خاکستر کر دیا گیا۔

سرخ ہندی قصہ گو اور ان کی کہانیاں:

قصہ گو کہانی دلچسپ انداز سے شروع کرتے جس طرح اردو میں ہر کہانی کے آغاز سے پہلے عموماً یہ جملہ کہا جاتا ہے ''ایک دفعہ کا ذکر ہے'' اسی طرح یہ مقامی لوگ جب اپنی کہانی شروع کرتے تو ان جملوں سے عموماً کہانی کا افتتاح ہوتا۔''لوگوں کے آنے سے پہلے......'' یا ''جب کو یوتے جوان تھا......''۔

سرخ ہندی: ریچھوں کو نہیں مارتے تھے:

ان کی کہانیاں سادگی کا نمونہ ہوتیں اور ان میں عموماً جرأت اور بہادری کا پہلو نمایاں رہتا تھا یہ کہانیاں سبق آموز ہوتیں تھیں اور سرخ ہندیوں کی تہذیبی و تمدنی خصوصیات، الہیاتی روایات، مذہبی کرداروں کے احکامات

بیان کرتی تھیں۔

ان کی کچھ کہانیاں مافوق الفطرت بھی ہوتی تھیں جیسا کہ ایک کہانی میں دولڑکیاں ہر رات ستاروں کو دیکھ کر یہ خواہش کرتی تھیں کہ ان کی شادی ان ستاروں سے ہوجائے۔ ان کی یہ خواہش کسی طرح پوری ہوجاتی ہے اوراس دوران ان کے سفرِ آسمان اور وہاں زندگانی میں نئے نئے سبق آموز اور حیران کن واقعات جنم لیتے ہیں اور مزید کہانیوں کا ایک لامتناہی سلسلہ شروع ہوجاتا ہے۔ جن والدین کی اولاد پیدا ہوتے وقت یا بعد میں مرجاتی تو ان کی دل جوئی کے لیے بھی کہانیاں کہی جاتی تھیں جن میں ایسے والدین کے لیے نئے بچوں کی ولادت کی خوش خبری ہوتی جوایسی طاقتوں کے حامل ہوتے جن سے مرنے والے بچے محروم تھے جنھیں بھوت پریت یا بلاؤں نے کھالیا تھا۔

مقامی لوگ ریچھ کو کبھی نہیں مارتے تھے بلکہ انھیں جب ریچھ نظر آتا تھا وہ دعائیہ کلمات ادا کرتے تھے۔ کیوں کہ سرخ ہندی نہایت مہذب متمدن اور محبت کرنے والے لوگ تھے وہ انسان تو کیا جانوروں کو بھی مارنا پسند نہیں کرتے تھے۔

کیلی فورنیاز بانوں کا قبرستان:

مؤرخین کے مطابق صرف امریکا میں تقریباً نوکروڑ سرخ ہندی باشندوں کو وحشی قرار دے کر ہلاک کر دیا گیا اور ان کی زبانیں نوہاٹلا (Nauhuatl)، یوما (Yuma)، چپوا (Chipewa)، توماہاک (Tomahawk)، موہاک (Mowhawk)، موہابے (Mojave)، چوکٹا (Choctow)، پیما (Pima) اور ہوپی (Hopi) وغیرہ کو فنا کر دیا گیا۔ جب نسل ہی باقی نہ رہی تو زبان کے بچنے کا کیا سوال پیدا ہوتا۔ امریکی ریاست کیلی فورنیا جہاں زبانوں کے کئی بڑے گروہ پائے جاتے تھے وہاں سفاکی اور درندگی کا ایسا مظاہرہ کیا گیا کہ تاریخ نے اس ریاست کا نام جس کا مفہوم ہسپانوی زبان میں ''خوابناک سونے کی سرزمین'' تھا، زبانوں کا قبرستان (Cemetery of Languages) رکھ دیا۔ جہاں سترہ بڑے لسانی گروہوں کی دوسو کے قریب زبانیں اور بولیاں بولی جاتی تھیں وہاں آج صرف دو زبانیں باقی رہ گئی ہیں۔ کیلی فورنیا میں ۱۷۶۹ء تک تین لاکھ ریڈ انڈین تھے، ایک سو سال کے بعد ان کی یہ تعداد بیس ہزار تک رہ گئی۔ یہاں پر ۱۸۴۸ء میں سونا دریافت ہوا جس کے بعد مقامی لوگوں کے قتل عام میں اور تیزی آگئی تاکہ سونے کے حصہ داروں کی فہرست میں مقامی باشندوں کے نام شامل نہ کیے جاسکیں۔ یہ تاریخ ساز کارنامہ اس قوم نے انجام دیا جسے اس بات پر فخر ہے کہ وہ دنیا میں انسانی حقوق کے سب سے بڑی علمبردار ہے اور انسانیت کی جتنی خدمت اس نے انجام دی وہ خدمت کوئی اور انجام نہ دے سکا۔

سرخ ہندیوں کی دوسوتیس زبانیں: مختصر جائزہ:

ریاست ہائے متحدہ امریکا میں لسانیات کے ماہرین نے سن دو ہزار میں ۲۳۰ زبانوں کی فہرست تیار کی ہے جن میں سے ۱۶۶ مقامی زبانیں سرخ ہندی بولتے ہیں جو آج بھی بولی جارہی ہیں۔ سرخ ہندی لوگوں کی اکاون زبانیں جو ۱۹۷۷ء تک مرچکی تھیں ان معدوم زبانوں کو شامل کرکے مقامی لوگوں کی زبانوں کی تعداد ۲۱۷ بن جاتی ہے۔۱۴۴ زبانوں میں سے اس مضمون میں ایسی زبانوں کا ذکر کیا گیا ہے جن کے بولنے والوں کی تعداد تقریباً ہزار ہے اور ایسی زبانوں کی تعداد ۱۳۴ ہے۔ نباخو اور چیروکی ایسی زبانیں ہیں جن کے بولنے والے ۲۲ ہزار سے زیادہ ہیں اور غالباً اب امریکا میں سرخ ہندیوں کی یہی دو بڑی زبانیں باقی رہ گئی ہیں۔ ان مقامی زبانوں کے علاوہ بقیہ ۱۳ زبانوں میں انگریزی اور ہسپانوی زبان جنھیں سرکاری اور غیر سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے شامل ہیں ان زبانوں کے علاوہ جرمن، فرانسیسی، بھی اس فہرست میں شامل ہیں۔

صرف ایک ہزار سرخ ہندی قبائل باقی ہیں:

سرخ ہندیوں کے زبردست قتل عام کے باوجود آج بھی امریکہ میں ایک ہزار کے قریب قبائل باقی رہ گئے ہیں جن میں سے صرف ۵۶۲ قبائل کو حکومت کی جانب سے آبرومندانہ زندگی گزارنے کی اجازت ملی ہے لیکن ان مقامی لوگوں نے گوری اور سیاہ فام اقوام میں شادی بیاہ اور دیگر روابط استوار کرلیے ہیں اب ان کا تشخص خود بہ خود ختم ہوتا جارہا ہے اور حکومت ایسے لوگوں کو خاص قبیلے کا فرد یا رکن ماننے سے گریز کررہی ہے۔ اس سلسلے میں امریکہ میں جینیاتی کشمکش نے ایک نیا روپ دھار لیا ہے وہاں کے لوگ اب اپنا جینیاتی تجزیہ کرارہے ہیں تاکہ ان کا قدیم قبیلے سے تعلق ثابت ہوجائے اس سلسلے میں کئی ادارے وجود میں آچکے ہیں جو جینیاتی تعلق کو جانچنے کا فریضہ انجام دے رہے ہیں۔

سرخ ہندی: پچیس ہزار قبل مسیح سے امریکہ میں آباد تھے:

محققین اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ امریکا میں مقامی لوگوں کی آبادکاری کا سراغ ۱۰ ہزار سال ق م سے ملتا ہے لیکن کچھ سرخ ہندیوں کے بعض علاقوں میں ۲۵ ہزار سال ق م کی انسانی آبادی کے آثار بھی کثرت سے ملے اس کا مطلب یہ ہے کہ امریکہ کے اصل باشندے سرخ ہندی دس ہزار قبل مسیح سے اس سرزمین پر آباد تھے جنھیں قتل وغارت گری کے ذریعے تہس نہس کردیا گیا۔

براعظم امریکہ کے بڑے لسانی گروہ:

براعظم امریکہ میں یورپی قابضین کی آمد کے وقت کئی بڑے لسانی گروہ موجود تھے لیکن یورپی قابضین کی تاخت وتاراج کے بعد شمالی امریکا کے مشہور لسانی وثقافتی گروہ مسکوجی ین (Muskogean)،

الگون کیان (Algonkian)، کاڈوئی (Caddoan)، اِروکوآئی (Iroquoian)، سی اُو (Sioux)، ہوکان (Hokan)، پینوتی ان (Penutian)، اتا پاسکان (Athapascan) اور ازتیکا (Azteca) اقلیت کا درجہ اختیار کر گئے یہ گروہ سخت جانفشانی کے ساتھ ظلم وتشدد کا مقابلہ کرتے رہے اور آج بھی اپنے وجود کے ذریعے اپنی عظیم روایات کی نمائندگی کر رہے ہیں انہیں گروہوں کی زبانیں باقی ہیں یہ وہ بڑے لسانی خاندان ہیں جو آج شمالی امریکا میں اپنی کچھ زبانوں کے ساتھ بقاء کی جنگ لڑ رہے ہیں۔

قتل عام کے بعد تحفظاتی علاقوں کا قیام:

امریکی حکومت نے بیسویں صدی کے اوائل میں ''انسانیت کے بے پناہ جذبے'' کے تحت یہ محسوس کرلیا کہ اگر ان مقامی لوگوں کے ساتھ ظالمانہ جابرانہ برتاؤ مسلسل جاری رکھا گیا تو ان کی ثقافت، زبان اور قبیلے ختم ہوجائیں گے ''انسانیت کا تقاضہ تھا'' کہ ان بچے کھچے لوگوں کو بچایا جائے اور دنیا کو بتایا جائے کہ ہم زبانوں اور ثقافتوں کے تنوع پر یقین رکھتے ہیں اور اس سلسلے میں کوشاں بھی ہیں۔ لہٰذا ان لوگوں کو تحفظ دینے کے لیے تحفظاتی علاقوں Reserved Areas یا Reservation کی اصطلاحات شروع کی گئیں۔ یہ ایسے علاقے ہوتے ہیں جہاں ایک خاص قبیلے کے لوگوں کو ان کے قدیم رسم ورواج کے ساتھ رکھا جاتا ہے، انھیں عطیات حکومت فراہم کرتی ہے۔ یہ لوگ باہر کے علاقوں میں آمدورفت کے ساتھ اپنی تعلیم جاری رکھ سکتے ہیں۔ ان کے علاقوں میں شراب نوشی کی ممانعت ہے۔ اس طرح کے علاقوں کے قیام کا مقصد ایک طرف تو ان سرخ ہندی لوگوں کو سفید فاموں سے ثقافتی تحفظ مہیا کرتا تھا تا کہ ماضی کے مظالم کی تاریخ کو دھندلا دیا جائے۔

سرخ ہندیوں کا اصل مرکز: اوکلاہوما:

ان علاقوں میں حکومت ان مقامی لوگوں کو روزگار کے حصول کے لیے اور زندگی کے نئے طرز اپنانے کے لیے آمادہ کرتی ہے۔ ۱۹۳۰ء تک جو اعداد وشمار ملتے ہیں، اس کے مطابق امریکا کے ہر صوبے میں ان لوگوں کی آبادی تین ہزار سے شروع ہوتی تھی اور خاص خاص صوبوں کی تعداد لاکھ سے اوپر چلی جاتی ہے، خاص کر اوکلاہوما میں جب کہ دیگر صوبوں میں ان کی تعداد ۲۰ ہزار سے ۶۰ ہزار کے درمیان ہے۔

۱۹۷۵ء تک سرخ ہندیوں کی تعلیم، معیار زندگی، حالات، زبانوں، طرز زندگی کے بارے میں امریکی حکومت کی جانب سے اعداد وشمار دستیاب نہ تھے پہلی مرتبہ ان کے حالات پر مبنی اعداد وشمار U.S. Bureau of the Census نے ۱۹۸۰ء میں شائع کیے اور تمام مقامی افراد کو Hispanic کے زمرے میں رکھا جب کہ اس زمرے میں وہ لوگ بھی شامل ہوجاتے ہیں جو ہسپانوی زبان بولتے ہیں اور یہ لوگ یا تو مقامی ہوتے ہیں، یا میکسیکو کے یا پھر کیوبائی (Cuban) لوگ ہوتے ہیں۔ اس طرح امریکی سرخ ہندی مقامی

باشندوں سے متعلق اعداد وشمار سے واضح معلومات نہیں مل سکتیں۔

آنسوؤں کا سفر: کبھی ختم نہ ہوسکا:

انیسویں صدی کے آخر تک امریکی استعماری ریاست نے زیادہ تر قبائل اور زبانوں کو بزور شمشیر موت کے گھاٹ اتار دیا تھا۔ چیروکی (Cherokee) زبان بولنے والے اس ظلم کے دور کو (Trail of Tears) کہتے ہیں، جس میں ان لوگوں کو ان کے اپنے آبائی علاقوں سے جبراً نکال دیا گیا۔ آنسوؤں کا یہ سفر کبھی ختم نہ ہوگا خون کے گھونٹ جو پی لیے گئے جبر کی اس تاریخ کو ہچکیوں اور سسکیوں کے ذریعے یاد رکھیں گے کیوں کہ سرخ ہندیوں کی تاریخ لکھنے کی جرات کسی کو نہیں ہے مائیکل مین جیسے جری شخص نے اس خونی تاریخ کو ڈرتے ڈرتے صرف گیارہ صفحات میں تحریر کیا ہے لیکن ترکوں کے ہاتھوں ۱۸ لاکھ آرمینیائی باشندوں کے قتل پر دو ابواب تحریر کیے ہیں۔

سرخ ہندی: آہنی شخصیت کے مالک:

کالوسا (Calusa) قوم مسکوجی زبان بولتے تھے۔ ۱۵۰۰ کے ابتدائی سالوں میں ان کا بڑا ہی خون ریز مقابلہ ہسپانویوں سے رہا جس کے نتیجے میں انھوں نے ۱۵۲۱ء کے مشہور کون کیس تادور (Conquestador) پونتھ ڈی لیون (Ponce de Leon) کو قتل کر دیا۔ سیمی نولے (Seminole) زبان بولنے والوں کی امریکی استعماری طاقت سے بڑی مشہور جنگیں رہی ہیں۔ پہلی سیمی نولے جنگ ۱۸۱۷ء سے ۱۸۱۸ء تک، دوسری سیمی نولے جنگ ۱۸۳۲ء سے ۱۸۴۲ء تک۔ سیمی نولے غالباً ہسپانوی زبان کے لفظ Cimarron کی بگڑی ہوئی شکل ہے جس کا مطلب ''آہنی شخصیت'' ہے۔

امریکہ کی واحد بڑی سرخ ہندی زبان: اپاچی:

نباخو (نباحو) (Navajo) ریڈ انڈین لوگوں کی کہانیاں نظمیہ ہوا کرتی تھیں اور ان کا تعلق ایک اور قبیلے اپاچی (Apache) سے بہت گہرا تھا۔ یہ دونوں قبائل اتاپاسکان لسانی خاندان سے تعلق رکھتے ہیں۔ اپاچی زبان اور قبیلہ مزید ذیلی گروہوں میں منقسم ہے۔ نباخو قبیلہ آج بھی امریکا میں ایک مظبوط قبیلہ ہے جنھوں نے اپنی کوششوں سے اپنی زبانوں کو تحفظ دیا ہے اور آج ان کی زبان امریکا میں واحد بڑی سرخ ہندی زبان کے طور پر بولی جا رہی ہے۔

اپاچی طرز بیاں ختم ہوگیا:

اپاچی قبیلے کا ایک گروہ ایسا بھی تھا جو کہانیاں صرف علی الصبح اور مغرب کے وقت سناتا تھا یا پھر شدید سردیوں کے موسم میں یہ ان کی روایت تھی۔ خی کاریہ (Jicarilla) اپاچی کی کہانیوں میں تحکمانہ انداز ہوا کرتا تھا۔

لیکن ان قبائل کو ہسپانوی استعمار نے جب عیسائیت کا لبادہ پہنایا تو ان کی زبان نے اپنی لوک کہانیاں اور طرزِ بیان کو ترک کر کے ہسپانوی اور انگریزی زبان اور تہذیب کو اختیار کر لیا اس طرح پوری کی پوری تہذیب وثقافت برباد ہوئی اور ایسی کہانیوں کو جان بوجھ کر فراموش کر دیا گیا جن میں قدیم مقامی مذاہب کی جھلک یا ان کے کرداروں کا منظر نامہ ہوتا تھا۔

پینوتی آئی (Penutian) زبان بولنے والے انیسویں صدی تک ۱۴۰۰۰ تھے۔ یہ لوگ کیلی فورنیا میں رہتے تھے لیکن یورپی نژاد سے روابط نے ان میں نئی نئی بیماریاں پیدا کر دیں اور معاشرتی نظام کی خرابیاں پیدا ہوگئیں۔

ہوکان لسانی خاندان کی یانا (Yana) زبان بولنے والے ۱۸۶۴ء تک ختم ہو چکے تھے۔ اس زبان کا لوگوں کو علم بھی نہ ہوتا۔ اگر اس زبان کا ایک فرد جو بھوکا اور سردی سے ٹھٹھرا پڑا تھا ۱۹۱۱ء میں اورول (Orville) کیلی فورنیا سے ملا۔ اس شخص سے اس زبان اور ثقافت کے بارے میں معلومات حاصل کی گئیں اور اس کی موت ۱۹۱۶ء تک اسے میوزیم میں رکھا گیا لیکن اس سے پہلے اس کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لیے اسے جیل میں بھی رکھا گیا۔

سرخ ہندی باشندے: نفرت وحقارت کا نشانہ:

ان مقامی لوگوں کو بڑے ہی برے القاب بھی دیے گئے، موہاک (Mohawk) کے معنی اوکسفرڈ انگلش ڈکشنری ۱۷۱۱ء کے مطابق دو بدمعاشوں کی ایک جماعت جو راتوں کو لندن کی گلیوں میں اٹھارہویں صدی کے اوائل میں گند پھیلاتے تھے''

۱۹۰۱ء میں فرانسیسی مؤقر جریدہ لی فگارو (Le Figaro) کے صحافی ایمیلے دارسی (Emile Darsy) نے امریکا کی دس مقامی زبانوں اور قبائل کے ناموں کی فہرست تیار کی تاکہ انھیں فرانس میں غلیظ اور ناپسندیدہ عناصر کے لیے استعمال کیا جائے جو بدمعاشی کرتے اور افراتفری پھیلاتے ہیں۔

اس فہرست میں اپاچی کا انتخاب کیا گیا جسے پولیس کے افسر ایم لیپن (M. Lepine) نے استعمال کیا اور یہ لفظ ۱۹۲۴ء میں Academie Francaise نے فرانسیسی زبان میں بدمعاشی کے معنوں قبول کر لیا۔

چے روکی زبان: ۸۶ حروف تہجی:

اِروکوآ (Iroquois) قبائل تمام سرخ ہندی قبائل میں زیادہ منظّم گروہ تھا صرف شمالی امریکا میں یہ پانچ اقوام پر مشتمل گروہ تھا جنھوں نے ایک ریاست قائم کی ہوئی تھی، ان کے مذہبی عقائد اور کہانیاں مستحکم بنیادوں پر تھیں۔ اس لسانی خاندان کی ایک زبان چے روکی (Cherokee) ایسی زبان ہے جسے لکھا جاتا ہے۔ اس زبان کے حروف تہجی اس کے ایک خیر خواہ ''سے کواویاہ'' (Sequoyah) نے ۱۲ سال کی محنت کے بعد ۱۸۲۱ء میں

ترتیب دیئے۔ یہ ۸۶ حروف پر مشتمل ہے جو اس زبان کے تمام تلفظ کو ادا کرنے کی اہلیت رکھتے ہیں۔ ۱۸۲۴ء میں ان لوگوں نے اس رسم الخط میں اپنا ایک اخبار بھی نکال لیا۔ ان کی تعداد آج کل دس ہزار ہے یہ لوگ ریاستِ اوکلا ہوما اور شمالی کیرولائینا میں بستے ہیں۔

موہاک زبان نسل کا جبری انخلاء:

سی نے کا (Seneca) زبان بھی اروکوآ گروہ سے تعلق رکھتی ہے اور نیویارک کے تحفظاتی علاقے میں پنپ رہی ہے۔ لیگ اوف اِروکوآ (League of Iroquois) میں شامل ایک اور طاقتور قوم (زبان) موہاک (Mohawk) ہے چوں کہ اس قوم نے امریکی جنگِ آزادی میں برطانیہ کا ساتھ دیا تھا اس وجہ سے اسے آزادی کے بعد امریکی حکومت نے کینیڈا کی جانب دھکیل دیا۔

چوکٹا سے ان کا آبائی علاقہ چھین لیا گیا:

چوکٹا (Choctaw) نے امریکی استعمار کے خلاف دیگر قبائل چی کاسا (Chickasaws)، سیمی نولے (Seminoles)، کریک (Creek) اور چے روکی (Cherokee) کے ساتھ مل کر ''پانچ تہذیب یافتہ قبائل'' کے نام سے اپنی ایک تنظیم بنائی۔ ۱۹۰۷ء تک یہ اتحاد قائم رہا۔ ۱۸۳۰ء میں امریکا نے ان کا آبائی علاقہ جو جنوبی مس سس سی پی دریا کے کنارے آباد تھا، ان سے چھین لیا اور ۱۹۰۷ء تک اس علاقے کی آبادی مکمل طور پر ختم کر دی گئی اور ان کا علاقہ اوکلا ہوما، ریاست ہائے متحدہ امریکا میں ایک ریاست کے طور پر شامل کر لیا گیا۔ یہ زبان چی کاسا سے بہت ملتی جلتی ہے۔ ساک (Sac) جسے دوسرے نام فوکس (Fox) سے بھی جانا جاتا ہے کے بولنے والے بہت کم رہ گئے ہیں۔ یہ الگون کیان لسانی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔

کریک اور گوروں کی کشمکش:

کریک (Creek) زبان بولنے والوں کی گورے نوآبادکاروں سے دائمی کشمکش جاری رہتی تھی۔ یہ لوگ جیورجیا اور الاباما ریاستوں میں رہتے تھے لیکن آج کل انھیں تحفظاتی علاقوں میں محصور کر دیا گیا ہے۔ ۱۴-۱۸۱۳ء کی جنگوں میں اس زبان کے بولنے والے قبیلے کو امریکیوں کے ہاتھوں شکست ہوئی اور ان کے آبائی علاقے ان سے جبراً چھین لیے گئے۔

ڈی لاویر نسل کا انخلاء:

ڈی لاویر (Delaware) زبان بولنے والے کبھی نیوجرسی، نیویارک، پین سلے وینیا اور ڈی لاویر ریاستوں میں رہا کرتے تھے۔ ۱۷۲۰ء میں امریکی استعماری ریاست نے انھیں مغرب کی طرف دھکیل دیا جہاں

اب یہ لوگ تحفظاتی علاقوں میں اپنی زندگی گزار رہے ہیں۔ یہ زبان الگون کیان (Algonkian) لسانی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔

ہوائی زبان کا تیزی سے خاتمہ:

ہوائی زبان بحرالکاہل میں واقع جزائر ہوائی میں بولی جاتی ہے۔ یہ زبان بہت تیزی سے ختم ہو رہی ہے۔ وہاں کی آبادی کا اب صرف ۵ء۰ فی صد حصہ یہ زبان بولتا ہے۔ اس زبان کی انفرادیت کے تحفظ کے لیے وہاں کے چند خیر خواہوں نے جزیرہ نی آئی ہو (Niihau) میں کچھ سو لوگوں کو خاص کر بسایا ہے اور ان کے روابط دیگر زبانوں (خاص کر انگریزی) سے کم سے کم رکھنے کی کوشش کی گئی ہے تاکہ اس زبان کی خالصیت کو قائم رکھا جا سکے۔ یہ زبان پولی نیشیائی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔

تلنگت زبان کا حال:

تلنگت (Tlingit) زبان اتاپاسکان لسانی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ قدیم تلنگت اقوام کا دعویٰ ہے کہ حضرت نوحؑ کے طوفان کے بعد ان کی قوم انٹارکٹک کے علاقے میں اتری تھی۔ یہ زبان آلاسکا کے علاقوں میں بولی جاتی ہے یہ زبان بولنے والوں کی تعداد اب صرف ایک ہزار رہ گئی ہے۔

اتاپاسکان اور الگون کیان: خامشی کے سمندر میں:

اتاپاسکان (Athapscan) اور الگون کیان (Algonkian) شمالی امریکا کے دو بڑے اہم لسانی خاندان ہیں جن کی کئی زبانیں اب مر چکی ہیں اور چند ایک بچ گئی ہیں۔ ان کے علاوہ زبانوں کے دیگر اور بھی بڑے خاندان ہیں لیکن ان خاندان کے بارے میں مغرب کی دو اہم قاموسوں انسائیکلوپیڈیا امریکانا اور انسائیکلوپیڈیا بریٹینکا نے سکوت اختیار کیا ہے اور ان کے صفحات اس بابت معلومات مہیا کرنے سے قاصر ہیں۔

سرخ ہندیوں کی بہت جلد مٹنے والی زبانیں:

ذیل میں ریاست ہائے متحدہ امریکا کی ایسی زبانوں کا مختصر تعارف دیا جا رہا ہے جن کے بارے میں اس بات کا اندیشہ ہے کہ کچھ عرصے میں یہ زبانیں فنا، معدومی اور گمنامی کے صحراء میں ہمیشہ ہمیشہ کے لیے گم ہو جائیں گی۔

۱۔ مشرقی ابنا کی (Eastern Abnaki): اس زبان کو بولنے والا صرف ایک آدمی باقی ہے، جو ریاستِ مین (Maine) کے بنگور گاؤں میں مقیم ہے۔

۲۔ اچوماوی (Achumawi): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد صرف دس ہے، یہ لوگ شمال

مشرقی کیلفورنیا میں آباد ہیں۔

۳۔ آہتے نا(Ahtena): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ۸۰ ہے، جو صرف آٹھ گروہوں میں بٹ کر رہ گئے ہیں۔

۴۔ الاباما(Alabama): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ۲۵۶ ہے۔ ٹیکساس اور اوکلاہوما سے اس کے تمام بولنے والے اب ختم ہو چکے ہیں۔ یہ وہ علاقے تھے جہاں کبھی ان کی کثیر آبادی رہا کرتی تھی۔ یہ لوگ امریکی حکومت کے محصور کردہ علاقے الاباما۔ کوشا تا تحفظاتی علاقہ'' (Alabama-Cushatta Reservation) میں رہتے ہیں جو جنوب مشرقی ٹیکساس کے لِونگسٹن(Livingston) شہر میں واقع ہے۔

۵۔ خی کاریّہ اپاچی(Jicarilla Apache): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد آٹھ سو بارہ ہے۔ یہ لوگ نیومیکسیکو کے شمالی علاقے دولسے(Dulce) میں رہتے ہیں۔

۶۔ کیووا اپاچی(Kiowa Apache): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد اٹھارہ ہے۔ یہ لوگ کاڈّو کاؤنٹی(Caddo) مغربی اوکلاہوما میں رہتے ہیں۔

۷۔ لی پان اپاچی(Lipan Apache): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دو ہے۔ یہ لوگ میس کالے دو تحفظاتی علاقے، نیومیکسیکو میں محصور کیے گئے ہیں۔

۸۔ اراپاحو(Arapaho): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک ہزار اڑتیس ہے۔ یہ لوگ دریائے ونڈ کے تحفظاتی علاقہ، ریاستِ ویومنگ میں رہتے ہیں۔

۹۔ اری کارا(Arikara): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد نوے ہے۔ یہ لوگ فورٹ برتھ ہولڈ (Fort Berthold) کے تحفظاتی علاقہ شمالی ڈکوٹا میں رہتے ہیں۔

۱۰۔ اسی نی بوئی نے(Assiniboine): یہ بہت تھوڑے لوگ ہیں جو ریاستِ مونٹانا میں دو تحفظاتی علاقوں فورٹ بِلک نیپ اور فورٹ پیک (Fort Belknap, Fort Peck reservations) میں مقیم ہیں۔

۱۱۔ ات سوگے وی(Atsugewi): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چار ہے۔ نسلی طور پر ان کی تعداد دو سو کے قریب ہیں۔ لیکن حالات نے انھیں اپنی زبان فراموش کرنے پر مجبور کر دیا ہے۔ یہ لوگ شمال مشرقی کیلی فورنیا میں بستے ہیں۔

۱۲۔ بلیک فوٹ(Blackfoot): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک ہزار باسٹھ ہے۔ یہ لوگ

ریاستِ مونٹانا کے تحفظاتی علاقے میں رہتے ہیں۔

۱۳۔ کاڈو(Caddo): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک سو کتالیس ہے۔ نسلی طور پر ان لوگوں کی تعداد اٹھارہ سو ہے یہ لوگ اوکلاہوما کے مغرب میں بستے ہیں۔

۱۴۔ کاہوئی یا(Cahuilla): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پینتیس ہے۔ یہ لوگ جنوبی کیلی فورنیا کے صحرائے موہابے کے علاقے میں رہتے ہیں۔ یہ زبان ازتیکا(Aztec) لسانی خاندان سے تعلق رکھتی ہے۔ جس کی تہذیب دنیا کی عظیم الشان تہذیبوں میں سے ایک ہے۔

۱۵۔ کاتاوَبا(Catawba): یہ زبان معدوم ہو چکی ہے۔

۱۶۔ کایوگا(Cayuga): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے۔ نیویارک کے مغربی حصے میں کاٹاروگس تحفظاتی علاقے(Cattaraugus Reservationa) میں یہ لوگ بستے ہیں۔

۱۷۔ چے ہالس زیریں(Lower Chehalis): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ ہے۔ یہ ریاستِ واشنگٹن کے جنوب مغربی ساحل پر آباد ہیں۔

۱۸۔ چے ہالس بالائی(Upper Chehalis): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دو ہے۔ یہ ریاست واشنگٹن کے پوجٹ ساؤنڈ(Puget Sound) کے جنوب میں رہتے ہیں۔ نسلی طور پر ان لوگوں کی تعداد ۱۵۰ سے بھی کم ہے۔

۱۹۔ چیت کو(Chetco): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ ہے۔ یہ ریاستِ اوری گن (Oregon) کے جنوبی ساحل پر بستے ہیں۔

۲۰۔ شاہین(Cheyenne): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک ہزار سات سو اکیس ہے۔ یہ لوگ شمالی شاہین تحفظاتی علاقہ (Nothern Cheyenne reservation) جنوب مشرقی مونٹانا میں بستے ہیں۔

۲۱۔ چی کاسا(Chickasaw): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک ہزار ہے۔ جب کہ نسلی طور پر ان کی تعداد ۳۵ ہزار ہیں۔ یہ لوگ اوکلاہوما میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۲۲۔ چی نوک(Chinook): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد بارہ ہے۔ یہ لوگ ریاستِ اوری گن اور واشنگٹن میں آباد ہیں۔

۲۳۔ چی نوک واوا(Chinook Wawa): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد سترہ ہے۔ کسی زمانے میں یہ لوگ ریاستِ اوری گن سے لے کر کینیڈا اور الاسکا تک پھیلے ہوئے تھے لیکن اب دیگر

علاقوں میں منتشر ہو چکے ہیں۔

۲۴۔ کلایم(Clallam): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ ہے۔ یہ لوگ جزیرہ نما اولمپک، ریاستِ واشنگٹن شمالی مغربی امریکہ میں بستے ہیں۔

۲۵۔ کوکوپا(Cocopa): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد تین سو اکتیس ہے۔ یہ لوگ یوما (Yuma) ریاست اری زونا(Arizona) میں بستے ہیں۔

۲۶۔ کوردالین(Coeur D'Alene): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ ہے۔ کوردالین تحفظاتی علاقے، ریاستِ آئیڈاہو(Idaho) میں آباد ہیں۔

۲۷۔ کولمبیا ویناچی(Columbia-Wenatchi): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چھتر ہے۔ ان لوگوں کی تعداد نسلی طور پر ۵۰۰ کے قریب ہیں یہ لوگ کول وِل (Colville) تحفظاتی علاقہ، شمال وسطی ریاستِ واشنگٹن میں رہائش پذیر ہیں۔

۲۸۔ کومانچے(Comanche): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد آٹھ سو چون ہے۔ نسلی طور پر یہ لوگ تقریباً 6 ہزار ہیں جو اوکلا ہوما میں رہتے ہیں۔ اس زبان کا تعلق ازتیکا سے ہے۔

۲۹۔ کُوس(Coos): اس زبان کو بولنے والا اب صرف ایک رہ گیا ہے۔ مگر نسلی طور پر یہ لوگ دو سو کے قریب ہیں اور اوری گن کی جنوبی ساحلی پٹی میں محصور ہیں۔

۳۰۔ کاؤلز (Cowlitz) اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دو ہے۔ نسلی طور پر یہ لوگ اب دو سو سے بھی کم ہیں یہ ریاستِ واشنگٹن کے جنوب مغرب میں رہتے ہیں۔

۳۱۔ کِرے میدانی(Plains Cree): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک ہزار ستر ہے۔ یہ لوگ شمال وسطی ریاستِ مونٹانا میں رہتے ہیں۔

۳۲۔ کوپین نیو(Cupeno): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد نو ہے ان کی کل آبادی صرف ایک سو پچاس ہے۔ یہ لوگ کیلی فورنیا کے جنوب کے تحفظاتی علاقے میں آباد ہیں۔ یہ زبان معدومی کے قریب ہے اس زبان کا تعلق ازتیکا لسانی گروہ سے ہے۔

۳۳۔ دی ہے خِت آن(Degexit' An): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چالیس ہے جب کہ نسلی طور پر یہ لوگ ڈھائی سو کے قریب ہیں یہ لوگ دریائے یوکون(Yukon) کے اطراف ریاستِ آلاسکا میں بستے ہیں۔

۳۴۔ اِیاک(Eyak): اس زبان کو بولنے والا اب صرف ایک رہ گیا ہے جو انکوراج، آلاسکا میں مقیم

ہے۔ یہ زبان معدوم ہو چکی ہے۔

۳۵۔ گوِچ اِن(Gwich'in): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد تین سو ہے۔ جب کہ گیارہ سو کے قریب نسلی لوگ زندہ ہیں۔ دریائے یوکون کے اطراف ۶ گاؤں میں یہ لوگ آباد ہیں۔

۳۶۔ ہائڈا(Haida): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پندرہ ہے۔ جب کہ چھ سو کے قریب ان کی آبادی ہے یہ لوگ آلاسکا کے جنوبی کونے میں بستے ہیں۔

۳۷۔ گروس وینترے(Gros Ventre): ۱۱۰ افراد یہ زبان بولتے ہیں اور شمال وسطی مونٹانا کے بِلک ناپ تحفظاتی علاقے میں مقیم ہیں۔

۳۸۔ ہان(Han): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد سات ہے۔ یہ آلاسکا کے جنوب میں آباد ہیں۔

۳۹۔ ہواسُو پائی۔ ولاپائی۔ یواپائی(Havasupai- Walapai-Yavapai): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک ہزار سات ہے۔ یہ لوگ وسطی اری زونا میں گرینڈ کین یَن (Grand Canyon) کے اطراف میں بستے ہیں۔

۴۰۔ ہوائی(Hawaiian): امریکی حکومت نے اس زبان کے ساتھ ظالمانہ برتاؤ کیا جس کی وجہ سے یہ زبان اپنی ہی ریاست میں اجنبی زبان کا درجہ اختیار کر چکی ہے۔ آج نسلی طور پر یہ زبان بولنے والوں کی تعداد جزیرے میں ڈھائی لاکھ کے قریب ہے۔ اس کے علاوہ امریکہ کے دوسرے علاقوں میں بھی یہ لوگ آباد ہیں لیکن زبان بولنے والے اب صرف ایک ہزار رہ گئے ہیں۔ ۱۷۷۸ء میں جزائر ہوائی میں اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ لاکھ سے اوپر تھی۔ اس زبان کا تعلق پولی نیشیائی خاندان سے ہے۔

۴۱۔ ہداتسا(Hidatsa): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد سو ہے۔ فورٹ برتھ ہولڈ تحفظاتی علاقہ، شمالی ڈکوٹا میں یہ لوگ آباد ہیں۔

۴۲۔ ہوکاک(Hocak): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دو سو پچاس ہے۔ یہ لوگ چھ ہزار کے قریب ہیں جو ریاستِ وسکون سِن (Wisconsin) اور نبیراسکا(Nebraska) میں پھیلے ہوئے ہیں۔

۴۳۔ ہولی کاچوک(Holikachuk): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد بارہ ہے۔ یہ دریائے یوکون، آلاسکا میں رہتے ہیں۔

۴۴۔ ہوپا(Hupa): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد آٹھ ہے۔ یہ لوگ کیلیفورنیا میں مقیم ہیں۔

۴۵۔ ہے میز(Jemez): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک ہزار تین سو ایک ہے یہ لوگ شمال

وسطی نیومیکسیکو میں رہتے ہیں۔

۴۶۔ کالا پویا(Kalapuya): اس زبان کو بولنے والا اب صرف ایک ہے جو شمال مغربی اوری گن(Northwest Oregon) میں رہتا ہے۔

۴۷۔ کالیسپل۔ پینڈ دورے(Kalispel-Pend D'Oreille): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دوسو ہے۔ یہ لوگ کالیسپل تحفظاتی علاقے ریاستِ واشنگٹن میں رہتے ہیں۔

۴۸۔ کانسا(Kansa): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد انیس ہے۔ جب کہ اس نسل کے زندہ لوگوں کی تعداد ۲۵۰ ہے۔ یہ زبان بولنے والے اوکلاہوما کے شمال اور وسط میں بستے ہیں۔

۴۹۔ کاروک(Karok): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک سو چھبیس ہے۔ جب کہ تین ہزار سات سو اکیاسی افراد پر مشتمل ان کی آبادی ہے۔ شمالی مغربی کیلی فورنیا میں کلامتھ دریا کے اطراف یہ لوگ بستے ہیں۔

۵۰۔ کاشایا(Kashaya): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پچاس ہے۔ یہ لوگ آلاسکا میں بستے ہیں۔

۵۱۔ کاتو(Kato): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے یہ لوگ کیلیفورنیا کے لےٹن وِل (Laytonville) تحفظاتی علاقے میں رہتے ہیں۔ اتاپاسکان لسانی گروہ سے اس کا تعلق ہے۔

۵۲۔ کاوائی سو(Kawaiisu): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے۔ یہ لوگ صحرائے موہابے (Mojave Desert) میں رہتے ہیں۔ ازتیکا لسانی گروہ سے اس کا تعلق ہے۔

۵۳۔ کی کاپو(Kickappo): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ سو انتالیس ہے۔ جو کنیڈا اور امریکہ کے سرحدی علاقوں میں آباد ہیں۔

۵۴۔ کیووا(Kiowa): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک ہزار بانوے ہے یہ لوگ ریاستِ اوکلاہوما(Oklahoma) میں رہتے ہیں۔

۵۵۔ کلامت۔ مودوک(Klamath-Modoc): اس زبان کا بولنے والا صرف ایک ہے یہ اوری گن(Oregon) میں مقیم ہے۔

۵۶۔ کوآساتی(Koasati): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چھ سو ہے۔ یہ لوگ لوئی زِیانا، الاباما اور ٹیکساس کی ریاستوں کے تحفظاتی علاقوں میں رہتے ہیں۔

۵۷۔ کویوکون(Koyukon): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد تین سو ہے۔ اتاپاسکان لسانی گروہ سے اس کا تعلق ہے۔

۵۸۔ کومی آئی(Kumiai):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ستانوے ہے جو سان ڈیے گو (San Diego) کیلی فورنیا میں رہتے ہیں۔

۵۹۔ بالائی کُس کوک وِم (Upper Kuskok Wim): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چالیس ہے۔ یہ لوگ آلاسکا میں رہتے ہیں۔

۶۰۔ کوتے نائی(Kutenai):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک سو دو ہے۔ یہ لوگ فلیٹ ہیڈ تحفظاتی علاقے Flathead Reservation, Montana ریاستِ مونٹانا میں رہتے ہیں۔

۶۱۔ لوئی سے نیو (Luiseno): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد تینتالیس ہے یہ لوگ جنوبی کیلیفورنیا میں رہتے ہیں۔اس زبان کا تعلق ازتیکا لسانی گروہ سے ہے۔

۶۲۔ لوشوت سید(Lushootseed): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ساٹھ ہے یہ لوگ پوجٹ ساؤنڈ ریاستِ واشنگٹن(Washington) میں رہتے ہیں۔اس زبان کے کبھی دو لہجے ہوا کرتے تھے۔لیکن معدومی کے کنارے پر آنے کے بعد یہ ایک لہجہ بن چکا ہے۔

۶۳۔ شمال مشرقی مائدو(Northeast Maidu):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے یہ لوگ کیلیفورنیا میں رہتے ہیں۔

۶۴۔ شمال مغربی مائدو(Northwest Maidu):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے یہ لوگ وسطی کیلیفورنیا میں رہتے ہیں۔

۶۵۔ ماکاہ (Makah):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے، یہ لوگ اولمپک جزیرہ نما (Olympic Peninsula) کی شمالی سطح پر رہتے ہیں۔

۶۶۔ مالی سیتے پاسا ماکودی(Malecite-Passamaquoddy): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد آٹھ سو اٹھہتر ہے۔ یہ لوگ ریاستِ مین(Maine) میں رہتے ہیں۔

۶۷۔ مان دان(Mandan): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چھ ہے یہ لوگ فورٹ برتھولڈ تحفظاتی علاقے(Fort Berthold reservation, North Dakota) شمالی ڈکوٹا میں رہتے ہیں۔

۶۸۔ ماری کوپا(Maricopa): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک سو اکاسی ہے۔ یہ لوگ ریاست ایریزونا(Arizona) میں رہتے ہیں۔

۶۹۔ مینومینی(Menomini):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد انتالیس ہے۔ یہ لوگ شمال مشرقی

وسکون سن(Northeastern Wisconsin) میں رہتے ہیں۔اس زبان کے نسلی لوگوں کی تعداد ۳۵۰۰ ہے۔اس زبان کو بچانے کے لیےان کی نئی نسل یہ زبان تیزی سے سیکھ رہی ہے اور اس کی تدریس پر خصوصی توجہ دی جا رہی ہے۔

۷۰۔ مِس کوا کی(Mesquakie): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد تین سو نوے ہے یہ لوگ اوکلا ہوما کے فوکس تحفظاتی علاقے(Oklahoma Fox Reservation) میں رہتے ہیں۔

۷۱۔ می شیف(Michif): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد تین سو نوے ہے۔ یہ لوگ شمالی امریکہ اور جنوب مشرقی کینیڈا میں بستے ہیں اس زبان پر فرانسیسی زبان کا گہرا اثر ہے۔

۷۲۔ مِک ماک(Micmac): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد بارہ سو ہے ۔یہ لوگ شمالی مین(Northern Maine) میں رہتے ہیں

۷۳۔ می کا سوکی(Mikasuki): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چار سو چھیانوے ہے۔ جنوبی فلوریڈا میں یہ لوگ بستے ہیں۔

۷۴۔ وسطی سی یرا می ووک(Central Sierra Miwok): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ ہے یہ لوگ کیلیفونیا(California) میں رہتے ہیں۔۱۹۹۰ء میں ایک سو پانچ تھی۔

۷۵۔ می ووک ساحلی(Coast Miwok): اس زبان کو بولنے والا صرف ایک ہے۔ یہ زبان خلیج سان فرانسسکو سے خلیج بودیگا کی ساحلی پٹی پر کبھی بولی جاتی تھی اسی وجہ سے اسے ساحل می ووک کہتے ہیں۔

۷۶۔ تالابی می ووک(Lake Miwok): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد آٹھ ہے۔ یہ زبان کلیر جھیل(Lake Clerar) کے اطراف بولی جاتی ہے۔اس وجہ سے اسے تالابی لہجہ کہتے ہیں۔

۷۷۔ می ووک شمالی سی یرا(Northern Sierra Miwok): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے۔ یہ زبان دو دریاؤں موک لیومنے (Mokelumne) اور کالا بیرا س (Calaveras) کے بالائی حصے کے میدان میں بولی جاتی ہے۔

۷۸۔ میدانی می ووک(Miwok, Plains): اس زبان کو بولنے والا ایک فرد باقی ہے۔ یہ دریائے خوا ئکن کے ڈیلٹا میں رہتا ہے۔اور یہ زبان اب مر رہی ہے۔

۷۹۔ می ووک جنوبی سی یرا(Southern Sierra Miwok): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے۔ یہ لوگ کیلیفورنیا(California) میں رہتے ہیں۔

۸۰۔ موہابے(Mohave): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دو سو چونتیس ہے۔ یہ لوگ فورٹ

موہابے اور دریائے کولوراڈو کے تحفظاتی علاقوں (Fort Mohave and (Colorado River Reservations) کیلی فورنیا میں رہتے ہیں۔

۸۱۔ موہاک(Mohawk): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک ہزار چھ سو ساٹھ ہے۔ یہ لوگ علاقہ سینٹ ریجس تحفظاتی علاقہ، نیویارک(St. Regis Reservation) میں رہتے ہیں۔

۸۲۔ مونو(Mono): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد بیس ہے۔ نسلی طور پر ان کی تعداد ایک سو پچاس ہے یہ مشرقی وسطی کیلی فورنیا میں بستے ہیں۔ اس زبان کا تعلق ازتیکا سے ہے۔

۸۳۔ نیز پرس(Nez Perce): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چھ سو ستانوے ہے۔ یہ لوگ شمالی آئیڈاہو(Idaho) میں رہتے ہیں۔

۸۴۔ نی سے نان(Nisenan): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد صرف بارہ ہے یہ لوگ وسطی کیلیفورنیاCalifornia میں رہتے ہیں۔

۸۵۔ اوکاناگان(Okanagan): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک سو بارہ ہے یہ لوگ علاقہ کول ویل تحفظاتی علاقہ واشنگٹن(Colville Reservation) میں رہتے ہیں۔

۸۶۔ اوماہا پونکا(Omaha-Ponca): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پچاسی ہے۔ یہ لوگ مشرقی نیبراسکا اور شمال مشرقی اوکلاہوما کے تحفظاتی علاقوں میں رہتے ہیں۔

۸۷۔ اونئی دا(Oneida): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پچاس ہے یہ لوگ وسطی نیویارک میں رہتے ہیں۔

۸۸۔ اونون داگا(Onondaga): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پندرہ ہے اور یہ لوگ وسطی ریاستِ نیویارک میں رہتے ہیں۔

۸۹۔ اوساج (Osage): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ ہے یہ لوگ اوکلا ہوما (Oklahoma) میں رہتے ہیں۔

۹۰۔ شمالی پائیوت(Northern Paiute): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک ہزار چھ سو اکتیس ہے۔ یہ لوگ نیواڈا اور آئڈاہو(Idaho) میں رہتے ہیں۔

۹۱۔ پانا منت(Panamint): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد بیس ہے یہ لوگ ریاستِ نیواڈا (Nevada) میں رہتے ہیں۔ ازتیکا لسانی گروہ سے اس کا تعلق ہے۔

۹۲۔ پاؤنی(Pawnee): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد 4 ہے۔

۹۳۔ پوموسطی(Central Pomo):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چالیس ہے یہ لوگ شمالی کیلیفورنیا میں رہتے ہیں۔

۹۴۔ پوموشمال مشرقی(Northeastern Pomo):اس زبان کے بولنے والا اب صرف ایک رہ گیا ہے۔

۹۵۔ پوموجنوب مشرقی(Pomo, Southeastern):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے۔

۹۶۔ پوموجنوبی(Pomo Southern):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چالیس ہے۔اس زبان کو ہسپانوی لوگ گائی نومیرو(Gallinomero) کہا کرتے تھے۔کیلی فورنیا میں یہ لوگ آباد ہیں۔

۹۷۔ پوتاواتومی(Potawatomi):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پینتیس ہے۔

۹۸۔ کواپاؤ(Quapaw)اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چونتیس ہے یہ لوگ اوکلاہوما میں رہتے ہیں۔

۹۹۔ کےچان(Quechan):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد تین سو تینتالیس ہے یہ لوگ فورٹ یوما کے تحفظاتی علاقہ،کیلیفورنیا(Fort Yuma Reservation) میں رہتے ہیں۔

۱۰۰۔ کی لےاُتے(Quileute):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے۔یہ لوگ اولمپک جزیرہ نما،واشنگٹن(Olympic Peninsula) میں رہتے ہیں۔

۱۰۲۔ کی نولت(Quinault):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چھ ہے یہ لوگ اولمپک جزیرہ نما، واشنگٹن میں رہتے ہیں۔

۱۰۳۔ شمالی پوجت ساؤنڈ سالش(Southern Puget Sound Salish):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک سو سات ہے۔یہ لوگ واشنگٹن میں رہتے ہیں۔

۱۰۴۔ سےنی کا(Seneca):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک سو پچاس ہے۔یہ لوگ کینیڈا اور امریکہ کے سرحدی علاقے میں بستے ہیں۔

۱۰۵۔ سیررانو(Serrano):اس زبان کو بولنے والا اب صرف ایک رہ گیا ہے۔یہ ازتیکا گروہ کی زبان ہے۔

۱۰۶۔ شاستا(Shasta):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد بارہ ہے۔شمالی کیلی فورنیا میں یہ زبان بولنے والے بستے ہیں۔

۱۰۷۔ شاؤنی(Shawnee):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دو سو چونتیس ہے اور یہ لوگ اوکلاہوما (Oklahoma) میں رہتے ہیں۔

۱۰۸۔ اسکاجت(Skagit): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد سو ہے۔ یہ لوگ واشنگٹن

(Washington) میں رہتے ہیں۔

۱۰۹۔ سنوہومش(Snohomish): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے یہ لوگ تولالپ تحفظاتی علاقہ Tulalip Reservation میں رہتے ہیں۔

۱۱۰۔ اسپوکانے(Spokane): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پچاس ہے۔ یہ لوگ شمالی مشرقی واشنگٹن میں رہتے ہیں۔

۱۱۱۔ تاناکروس(Tanacross): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پینسٹھ ہے یہ لوگ ریاستِ الاسکا(Alaska) میں رہتے ہیں۔

۱۱۲۔ تنائنا(Tanaina): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پچھتر ہے اور یہ لوگ آلاسکا (Alaska) میں رہتے ہیں۔

۱۱۳۔ تنانا زیریں(Lower Tanana): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد تیس ہے۔ یہ لوگ الاسکا میں رہتے ہیں۔

۱۱۴۔ تنانا بالائی(Upper Tanana): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ایک سو پانچ ہے۔ ان کی نسلی آبادی تین سو ہے۔ یہ لوگ آلاسکا میں رہتے ہیں۔

۱۱۵۔ تے نی نو(Tenino): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دو سو ہے۔ یہ لوگ وارم اسپرنگ تحفظاتی علاقے Warm Springs Reservation ریاستِ اوری گن میں رہتے ہیں۔

۱۱۶۔ تلنگت(Tlingit): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد سات سو ہے۔

۱۱۷۔ تولووا(Tolowa): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ ہے۔

۱۱۸۔ سم شیان(Tsimshian): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد ستر ہے یہ لوگ آلاسکا میں رہتے ہیں۔

۱۱۹۔ توباتولابل(Tubatulabal): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چھ ہے یہ لوگ کیلیفورنیا میں بستے ہیں۔

۱۲۰۔ توسکا رورا(Tuscarora): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے یہ لوگ Tuscarora Reservation Niagara Falls, New York, میں بستے ہیں۔

۱۲۱۔ توتوت نی(Tututni): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے یہ لوگ ریاستِ اوریگن Oregon میں بستے ہیں۔

۱۲۲۔ اوماتیہ(Umatilla):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پچاس ہے یہ لوگ اوماتیہ تحفظاتی علاقے Umatilla Reservation میں بستے ہیں۔

۱۲۳۔ اونامی(Unami): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد پانچ ہے۔یہ لوگ اوکلا ہوما میں بستے ہیں۔

۱۲۴۔ والاوالا(Walla Walla):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد سو ہے یہ لوگ Umatilla Reservation اوماتیہ تحفظاتی علاقے میں بستے ہیں۔

۱۲۵۔ واپ پو(Wappo):اس زبان کو بولنے والا صرف ایک رہ گیا ہے۔یہ کیلیفورنیا میں رہتا ہے۔

۱۲۶۔ واسکو وشرام(Wasco-Wishram):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد انہتر ہے یہ لوگ شمال وسطی اوری گن North Central Oregon میں رہتے ہیں۔

۱۲۷۔ واشو(Washo): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے اور یہ لوگ کیلیفورنیا میں بستے ہیں۔

۱۲۸۔ وچیتا(Wichita):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے یہ لوگ ریاستِ اوکلا ہوما کے مغربی وسطمیں بستے ہیں۔

۱۲۹۔ ونٹو(Wintu):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے یہ لوگ کیلیفورنیا میں بستے ہیں۔

۱۳۰۔ یاکی(Yaqui): اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چار سو چھ ہے۔یہ لوگ ایریزونا میں بستے ہیں۔

۱۳۱۔ یوکُت(Yokuts):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد اٹھہتر ہے۔یہ لوگ کیلیفورنیا میں رہتے ہیں۔

۱۳۲۔ یوچی(Yuchi):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد بارہ ہے۔یہ لوگ اوکلا ہوما میں رہتے ہیں۔

۱۳۳۔ یوکی(Yuki):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد چھ ہے یہ لوگ Round Valley Reservation راؤنڈ ویلی تحفظاتی علاقے ،شمالی کیلی فورنیا میں بستے ہیں۔

۱۴۴۔ یوروک(Yurok):اس زبان کے بولنے والوں کی تعداد دس ہے یہ لوگ Northwestern California شمالی مغربی کیلی فورنیا میں بستے ہیں۔

سرخ ہندیوں کی معدوم شدہ زبانیں

۱) ال سیا(Alsea): یہ زبان ۱۹۳۰ء میں ختم ہوگئی، ریاست اوری گن اس کا علاقہ تھا۔

۲) اتا کاپا(Atakapa): لوئی زیانا اور ٹیکساس میں بولی جانے والی یہ زبان ۱۹۷۷ء میں ختم ہوگئی۔

۳) باربارینیو(Barbareno): جنوبی کیلی فورنیا۔

۴) بی لوخی(Biloxi): دریائے مس سس پی کی زیریں وادی میں یہ زبان کبھی بولی جاتی تھی۔

۵) چی ماریکو(Chimariko): کیلی فورنیا

۶) چیتی ماچا(Chitimacha): ۱۹۷۷ء تک یہ زبان ختم ہوگئی حالاں کہ اس زبان کے نسلی لوگ ۳۰۰ کے لگ بھگ موجود ہیں یہ ریاستِ لوئی زیانا کے جنوب میں بستے ہیں اور انگریزی زبان بولتے ہیں۔

۷) چوماش(Chumash): کیلی فورنیا

۸) کوکیہ(Coquille): اتاپاسکان ریڈ انڈین کی یہ زبان ریاستِ اوری گن کے جنوب مغرب میں بولی جاتی تھی۔

۹) شمالی کوستانوآن(Northern Costanoan): یہ کیلی فورنیا کے شمالی ساحلی پٹی پر بولی جاتی تھی۔

۱۰) جنوبی کوستانوآن(Southern Costanoan): جنوبی ساحلی پٹی کیلی فورنیا۔

۱۱) کروسینیو(Cruzeno): جنوبی کیلی فورنیا

۱۲) پجن ڈیلاویر(Pidgin Delaware): بحر اوقیانوس سے ملحقہ امریکا کی شمالی ساحلی پٹی پر یہ زبان بولی جاتی تھی۔

۱۳) ایسے لین(Esselen): وسطی کیلی فورنیا

۱۴) گالی سے(Galice): اوری گن

۱۵) انے سینیو(Ineseno): سانتا باربرا کیلی فورنیا

۱۶) آیوو‌ا۔اوتو(Iowa-oto): یہ زبان ۱۹۹۶ء میں ختم ہوئی لیکن اس زبان کے بولنے والے نسلی طور پر ۲۴۰۰ کی تعداد میں آج بھی موجود ہیں۔

۱۷) کارکن(Karkin): ریاستِ کیلی فورنیا

۱۸) کتسائی(Kitsai): ریاستِ اوکلاہوما۔

۱۹) لمبی(Lumbee): ۳۰۰۰۰ لوگ نسلی طور پر اس زبان سے تعلق رکھتے ہیں لیکن اس زبان کو اب کوئی نہیں بولتا۔ یہ لوگ کیئرولائینا اور میری لینڈ میں بستے ہیں۔

۲۰) وادی مائے دو(Valley Maidu): کیلی فورنیا

۲۱) مت تولے(Mattole): اتاپاسکان لسانی گروہ سے اس کا تعلق تھا۔ کیلی فورنیا۔

۲۲) میامی(Miami): ۱۹۹۶ء تک یہ زبان ختم ہوچکی تھی جب کہ اس کے بولنے والے نسلی لوگ دو ہزار کی تعداد میں ہیں۔ ان کا مرکز ریاستِ انڈیانا اور اوکلاہوما ہے۔

۲۳) خلیجی می ووک(Bay Miwok): کیلی فورنیا۔

۲۴) موبی لی ین(Mobilian): دریائے مس سس پی کی زیریں وادی میں یہ لوگ بستے تھے۔

۲۵) موہے گان۔ مون توک۔ نررا گان ست (Mohegan-Montauk-Narragansett): ۱۴ سو کی لسانی آبادی میں اب اس زبان کو جاننے والا کوئی نہیں ہے۔ ریاستِ کونیک ٹی کٹ، جزیرہ روڈ(Rhode is)۔

۲۶) مولالے(Molale): ریاستِ واشنگٹن اور اوری گن۔

۲۷) نانتی کوکے(Nanticoke): ریاستِ ڈی لاویر۔

۲۸) نات چیز(Natchez): ریاستِ اوکلاہوما۔

۲۹) نوک ساک(Nooksack): ریاستِ واشنگٹن، نسلی طور پر یہ لوگ تین سو پچاس کی تعداد میں ہیں۔

۳۰) اوبس پینیو(Obispeno): کیلی فورنیا۔

۳۱) اوفو(Ofo): زیریں مس سس پی۔

۳۲) پیرو(Piro): ریاستِ نیو میکسیکو۔

۳۳) مشرقی پومو(Eastern, Pomo): کیلی فورنیا

۳۴) شمالی پومو(Northern, Pomo): کیلی فورنیا

۳۵) پؤ ہاتان(Powhatan): نسلی طور پر تین ہزار افراد ہیں لیکن زبان بولنے والا کوئی نہیں۔ اس زبان کے لیے بھی تحفظاتی علاقہ قائم کیا گیا تھا لیکن اس کے باوجود اسے بچایا نہ جاسکا۔ یہ علاقہ رانکوکس انڈین ریزرویشن(Rankokus Indian) ریاست نیو جرسی میں قائم کیا گیا تھا۔

۳۶) پوری سے مینیو(Purisimeno): کیلی فورنیا۔

۳۷) سالی نان(Salinan): کیلی فورنیا۔

۳۸) سیوسلاؤ(Siuslaw): اوری گن۔

۳۹) سوس کے ہان نوک(Susquehannock): دریائے سوس کے ہان نوک کے اطراف یہ لوگ بسا کرتے تھے۔

۴۰) تا کیل ما(Takelma): ریاست اوری گن۔

۴۱) تلاموک(Tillamook): ریاستِ اوری گن۔

۴۲) تون کاوا(Tonkawa): ریاستِ اوکلا ہوما۔

۴۳) تونی کا(Tunica): ایک سو پچاس افراد کی آبادی میں کوئی اس زبان کو نہیں جانتا۔

۴۴) تو تیلو(Tutelo): دریائے مس سس پی کی زیریں وادی۔

۴۵) توانا(Twana): تین سو پچاس لوگوں کی آبادی ہے لیکن زبان کو جاننے والا کوئی نہیں۔

۴۶) بینتو رینیو(Ventureno): کیلی فورنیا

۴۷) وائے لا کی(Wailaki): اسے بھی تحفظ دینے کے لیے اس زبان کے بولنے والوں کو خاص علاقے میں محصور کیا گیا لیکن یہ زبان محفوظ نہ ہوسکی۔ اتا پاسکان زبان سے اس کا تعلق تھا، کیلی فورنیا۔

۴۸) وامپانو آگ(Wampanoag): ۱۲۰۰ کے قریب اس زبان کے نسلی لوگ ہیں جو ریاست میسا چوسیٹ(Massachusetts) میں بستے ہیں۔

۴۹) وی یوت(Wiyot): ۱۲۰ کی آبادی میں کوئی بولنے والا نہیں۔

۵۰) ویان دوت(Wyandot): اوکلا ہوما۔

۵۱) یانا(Yana): کیلی فورنیا۔

[جاری ہے]

ستمبر کے شمارے میں دوسری اور آخری قسط ملاحظہ کیجیے